سنو اے چاند سی لڑکی

فضہ بتول

خواتین و حضرات ! ابھی ابھی شہری بھائی کا فون آیا ہے، وہ" کل صبح کی فلائیٹ سے واپس آ رہے ہیں۔" بڑے ہال کمرے میں

گھر کے سبھی افراد موجود تھے جب اقصیٰ نے آکر عجلت میں سب کو اہم ترین اطلاع دی تھی

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے ،کتنے بجے کی فلائیٹ ہے اسکی؟"

صولت مرزا نے اقصیٰ سے پوچھا.

صبح سات بجے کی پاپا،اور میں بتا رہی ہوں کہ میں نے ہر حال" کرنے کیلیئے۔" اقصیٰ نے receive میں ائیر پورٹ جانا ہےانکو فلور کشن پہ بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص ضدی انداز سے کہا تھا۔

تمھیں لے کر کون جائے گا میڈم؟"سعد نے حسب عادت اپنی" ٹانگ اڑائی.

میں تم سے بات نہیں کر رہی۔" اقصی چِڑ کر بولی".

ارے تم دونوں اب لڑائی مت شروع کر دینا، اتنے عرصے بعد" میرا بچہ گھر آرہا ہے۔ جاؤ اقصیٰ روحی کو فون کر کے بھائی کی آمد کی اطلاع دے دو۔ "رابعہ بیگم نے اقصی کو کہا تو وہ "اوکے ماما" کہتی ہوئی اٹھ کر ہال کمرے سے چلی گئی۔

بڑی بہو میں تو کہتی ہوں کہ اب کی بار شیری اور ساحرہ کی" منگنی کروا ہی دینی چاہیئے، خیر سے اب تو ساحرہ بھی ڈاکٹر بن گئی ہے۔ "ناظمہ خاتون نے رابعہ بیگم کو مخاطب کر کے مشورہ دیا تھا۔

اماں جان آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی، میں تو" نجانے کب سے اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی حسرت دل

میں لئیے بیٹھی ہوں۔" رابعہ بیگم نے ساس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

لاحول ولا قوۃ تائی اماں ! سہرا لگا کر بھائی کس قدر گاوُدی نظر آئینگے۔"سعد نے ٹکڑا لگایا تھا۔

چپ کرو سعد۔"ثمینہ بیگم نے آنکھیں نکالیں۔"

میں نے کیا کیا ہے ممی؟"وہ مسمسی صورت بنا کر بولا تھا۔"

جاوُ جا کر پڑھو ،بڑوں کے بیچ تمہارا کیا کام ہے بھلا۔"ثمینہ بیگم" کا لیکچر شروع ہونے کو تھا لہٰذا وہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا۔

اسکا کمرہ اوپری منزل پر تھا،وہ زینوں کہ طرف بڑھا ہی تھا کہ کچن سے باہر آتی سطوت پھپھو پر نظر پڑی اور وہ بلا ارادہ رک گیا

تھا۔ وہ اسے کھڑے دیکھ کر رک گئیں۔انکے کمزور سے زرد چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ ابھری تھی۔

کچھ چاہئیے سعد؟"انھوں نے اپنے مخصوص دھیمے اور پر شفقت لہجے میں پوچھا تھا۔

نہیں پھپھو "!اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔ "شیری بھائی کل آرہے ہیں۔"اس نے انکو بتایا تھا۔

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"انھوں نے خوشی کا اظہار کیا" تھا۔

پھر وہ ہال کمرے کی جانب بڑھ گئیں تو سعد نے بھی اوپری منزل کے زینوں پہ قدم رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب امی اور تائی

امی پھپھو کو کل کے پر تکلف لنچ کا مینو بتا رہی ہوں گی۔

اور پھپھو۔۔۔وہ کسی زرخرید کی طرح ہر ہر ہدایت پر "جی بھابھی بیگم بہتر، جی اچھا" کی گردان کیئے جا رہی ہوں گی۔

اگلے دن کا سورج مغل ہاؤس کیلیئے مسرتوں کی نوید لیکر طلوع ہوا تھا۔ سارے گھر میں چہل پہل تھی۔ ہر فرد کے چہرے پہ خوشیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ شہیر مرزا کچھ ایسی ہی ہر دلعزیز ہستی تھا کہ اس کی آمد کی اطلاع نے مغل ہاؤس کے ہر مکین کی آنکھوں میں خوشیوں کے دیئے روشن کر دیئے تھے۔ رابعہ بیگم تو فجر کے بعد سے ہی سطوت کو پر تکلف سے ناشتے کے مینو پہ

بریفنگ "دینے بیٹھ گئی تھیں۔ جبکہ ثمینہ بیگم ملازمہ کے سر پہ"
کھڑی شہیر کے کمرے کی صفائی کروارہی تھیں۔ سعد اور اقصیٰ
بھی صبح صبح ہی بیدار ہوگئے تھے اور کافی تکرار کے بعد سعد اسے
اپنے ساتھ ائیرپورٹ لیجانے پر راضی ہو ہی گیا تھا۔ صولت مرزا
اور شوکت مرزا بھی ائیر پورٹ جانے کے لیئے تیار نظر آرہے
تھے۔ ان چاروں کے ائیر پورٹ کے لیئے نکلنے کے کچھ ہی دیر بعد
صولت مرزا اور رابعہ بیگم کی منجھلی بیٹی روحینہ اپنے میاں
ارسلان اور دو سالہ بیٹے سنی کے ساتھ آوارد ہوئی تھی۔ ارسلان
تو اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ روحینہ نے کچن کا رخ کرلیا اور
سطوت کے ساتھ ناشتے کی تیاری میں مدد کروانے لگی۔ جب تک

ناشتہ تیار ہوا تبھی باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ رابعہ بیگم سب کام چھوڑ چھاڑ بے تابی سے صدر دروازے کیجانب بڑھیں۔ وہ سب ہنستے مسکراتے چہروں کیساتھ اندر آرہے تھے۔ سب سے آگے شہیر تھا۔ وہ تیس بتیس سال کا ایک پر کشش جوان تھا۔ چہرے کی رنگت سانولی اور خطوط کافی حد تک سطوت سے مشابہ تھے جبکہ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ہو بہو رابعہ بیگم جیسی تھیں۔ اسکا قد چھ فٹ کے قریب تھا۔ جسامت قدرے بھری بھری اور سینہ چوڑا تھا۔ سیاہ بال ہلکے گھنگریالے تھے اور اس نے انکو جیل لگا کر پیچھے کیطرف جما رکھا تھا۔ سیاہ رنگ کی جینز پہ سفید بے داغ قمیض میں اسکی شخصیت بہت اچھی طرح نکھر آئی تھی۔ رابعہ بیگم پہ

نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے انکی طرف بڑھا۔
اسلام علیکم ماما ! کیسی ہیں آپ؟ "اس نے حسب عادت انکے"
دونوں ہاتھ باری باری چوم کر پوچھا تھا۔
وعلیکم السلام ! میرے بچے تجھے دیکھ لیا میں بالکل اچھی ہوگئ۔"
تو کیسا ہے؟ "انہوں نے اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسکی
فراخ پیشانی پہ پیار کیا۔
میں بالکل فٹ ہوں ماما۔ دادو اور چچی کدھر ہیں؟ "اس نے"
متجسسانہ انداز میں ادھر ادھر نظریں دوڑائی۔
سب اندر ہال کمرے میں تمھارے منتظر ہیں۔آؤ! "رابعہ بیگم"
نے کہا۔ وہ سب ہال کمرے میں آئے . شہیر ناظمہ خاتون سے

گلے ملا تو انکی بوڑھی آنکھوں میں نجانے کیوں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

"ارے میری پیاری دادو ! یہ آنسو کیوں؟ "اس نے محبت سے ان کی نم آنکھوں کو صاف کیا۔

"اتنے دنوں بعد شکل دکھاتا ہے تو۔ اب واپس تو نہیں جائیگا ناں؟ "ناظمہ خاتون نے محبتوں سے پر لہجے میں پوچھا تھا؟

"ارے دادو !ابھی تو آگیا ہوں ناں۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔ آپ پلیز ابھی یہ sad looks نہ دیں۔ "اس نے ان کے بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام کر پیار سے کہا تھا۔

کچھ دیر بعد ناشتے کی میز پر گھر مغل ہاؤس کے سب افراد (سطوت کے علاوہ) جمع تھے۔

ساحرہ کدھر ہے؟ "شہیر نے خصوصیت سے کسی کو بھی مخاطب کیئے بغیر پوچھا۔

اسکی ڈیوٹی تھی بیٹا۔ "شوکت مرزا نے بتایا۔"

گڈ۔ ویسے چاچو ساحرہ ڈاکٹری کے پروفیشن کے لیئے بہت موزوں لڑکی ہے۔ میں تو اس سے بہت متاثر ہوتا ہوں۔ کس قدر محنت اور جانفشانی سے کام کرتی ہے وہ۔ "اس نے کھلے دل کے ساتھ ساحرہ کی تعریف کی تو تمام نفوس کے چہروں پہ طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

اور اقصیٰ تمہاری اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں؟ "شہیر نے چند
لمحوں بعد اقصیٰ کو مخاطب کیا۔
بالکل فٹ۔ "وہ مسکرائی۔"
جی بالکل !اسٹڈیز تو فٹ جا رہی ہیں مگر یہ محترمہ ایک ہی جگہ
رکی کھڑی ہیں۔ "سعد نے لقمہ دیا۔ شہیر مسکرایا جبکہ اقصیٰ برا
.سا منہ بنا کر رہ گئی

تمہارا MBA کے بعد کیا پلان ہے؟ "شہیر نے سعد سے پوچھا۔
میں آپ کی طرح جوتیاں ہرگز نہیں چٹخاؤں گا شیری بھائی۔"
"پاپا اور تایا ابو نے یہ اتنا بڑا بزنس ہمارے لیئے ہی کھڑا کیا ہے۔
بندہ رہا تھا اور اسکے straightforward سعد ہمیشہ سے ہی بہت

اس خیال کو گھر کے بڑوں نے ہمیشہ سراہا تھا۔ شہیر کا ہارورڈ یونیورسٹی سے سوفٹ ویئر انجنیئرنگ کرنے کے بعد بلاوجہ ملکوں ملکوں خوار ہونا کسی کو بھی پسند نہیں تھا۔ صولت مرزا کا کہنا تھا کہ یہ خاندانی بزنس گھر کے دونوں لڑکے نہیں سنبھالیں گے تو کون سنبھالے گا۔ لیکن شہیر افتادِ طبع کے معاملے میں بالکل انوکھا تھا۔ تبھی تو خاندانی بزنس کو سنبھالنے کی بجائے 5,6 سالوں سے متواتر ایک سے دوسرے ملک میں گھوم پھر کر درجنوں نوکریاں کر کرکے چھوڑ چکا تھا۔ اسے سیاحت کا جنون تھا اور یہی جنون اسے کئی کئی ماہ تک اپنے گھر والوں سے دور رکھتا تھا۔

اپنی اپنی سوچ ہے۔" شہیر نے شانے اچکائے۔"

سعد کی اپروچ بالکل درست ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ تم بھی اب یہ لاابالی پن چھوڑو اور سیدھی طرح بزنس سنبھالو۔ آخر کب تک یوں ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے رہو گے۔ اب کچھ سنجیدہ ہو جاؤ زندگی میں۔" صولت مرزا نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"فی الحال تو بہت سنجیدگی سے نیند آ رہی ہے پاپا۔ بعد میں بات کریں گے۔ گڈ بائے۔" وہ فوراً ہی بات ٹال کر کھانے کی میز سے اٹھ گیا تھا۔

شام کے دھندلے سائے ہر سو پھیل گئے تھے۔ مغرب کی اذان کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ شہیر نے کروٹ بدلی اور

آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا، وہ چند لمحے چت لیٹا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ پھر سائیڈ ٹیبل سے ٹٹول کر موبائل اٹھایا۔ میسجز چیک کرنے کے بعد وہ اٹھا، فریش ہو کر اس نے نماز ادا کی اور کھڑکی پہ بڑے دبیز پردے ہٹائے۔

بائیں باغ کی تمام روشنیاں سر شام ہی جلا دی جاتی تھیں۔اور ان تیز روشنیوں کا عکس جب دائیں طرف بنی مصنوعی جھیل کے گہرے نیلے پانی پر پڑتا تو یوں لگتا جیسے کہکشاں زمین پر اتر آئی ہو۔ شہیر کو یہ منظر بہت پسند تھا۔وہ جب بھی پاکستان آتا تو اکثر گھنٹوں اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس منظر کو تکتا رہتا تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو اس کی محویت ٹوٹی۔وہ پلٹ کر

چلتا ہوا دروازے تک آیا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے سطوت پھپھو کو دیکھ کہ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

کیسے ہو شہیر؟میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟ "وہ اپنے مخصوص مدھم لہجے میں اس سے مخاطب تھیں۔

نہیں پھپھو !میں ٹھیک ہوں،آپ کیسی ہیں؟ "اس نے مسکرا کر پوچھا .

میں ٹھیک ہوں اللہ کا کرم ہے . تمہیں چائے یہیں بھجوادوں یا" سب کیساتھ پیئوگے؟ "وہ ہمیشہ سے نپی تلی بات کرنے کی عادی تھیں۔ کم از کم شہیر نے تو انہیں کبھی بھی کسی سے کوئی فالتو بات کرتے نہ دیکھا تھا۔

”میں سب کیساتھ ہی چائے پیئوں گا۔“

ٹھیک ہے سب ہال میں ہیں . تم بھی وہیں چلے جاؤ۔ “وہ اپنی” بات مکمل کرکے پلٹ گئ تھیں۔ شہیر کی پر سوچ نظروں نے انکا تعاقب کیا تھا۔

ہال کمرے میں گھر کے سبھی افراد جمع تھے۔پُرتکلف سی چائے کا دور چل رہا تھا.۔ وہ آکر دادو کے.برابر بیٹھ گیا۔ روحینہ نے اسے چائے کی پیالی تھمائی۔ وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے سب نفوس کا جائزہ لینے لگا۔ تبھی ساحرہ ہال میں داخل ہوئی۔ وہ ایک ستائیس اٹھائیس سالہ دراز قد اور اسمارٹ سی لڑکی تھی، چہرے کی

رنگت کھلتی ہوئی اور نقوش کافی پر کشش تھے۔ اس کی شخصیت اور انداز میں ایک رکھ رکھاؤ تھا جو اسے منفرد بناتا تھا۔ وہ ڈاکٹر تھی اور آجکل اسلام آباد شہر کے سب سے بڑے سرکاری ہسپتال میں کام کر رہی تھی۔

ہیلو ایوری ون۔ "خوش مزاجی سے بولتے ہوئے اسکی نظریں" شہیر کی طرف گئیں وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کیطرف مسکراہٹ کا تبادلہ کیا۔

ہائے شہیر !ہاؤ آر یو؟ "وہ فارمل سے انداز میں پوچھتی ہوئی" فلور کشن پہ بیٹھ گئی۔

آئم فائن !تم کیسی ہو؟ "وہ بھی فارمل سے انداز میں بولا۔"

آئم گڈ. اقصیٰ مجھے بھی چائے دیدو۔ "وہ اقصیٰ کی جانب متوجہ ہوگئی تھی۔ اقصیٰ نے فوراً تعمیل کی۔

تمہاری جاب کیسی چل رہی ہے؟ "شہیر نے اس سے پوچھا۔"

اچھی جارہی ہے۔ تم اپنی جاب کا سناؤ۔ "اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔"

آجکل تو جاب لیس ہوں۔ امریکہ والی جاب کا کانٹریکٹ ختم ہوا تو سوچا کہ کچھ وقت پاکستان میں spend کرلوں۔ "اس نے تفصیل سے جواب دیا۔ ساحرہ نے محض سرہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ کافی کم گو تھی، اس کے مزاج میں حددرجہ سنجیدگی تھی اور وہ زیادہ تر وقت الگ تھلگ رہنا ہی پسند کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی

کہ وہ کبھی کبھی گھر والوں کیساتھ بیٹھ کر انجوائے کرتی نظر نہ آتی تھی۔ اس کی اور شہیر کی نسبت بچپن سے طے تھی۔ لیکن سچ تو یہ ہے ان دونوں نے ہی کبھی اس موضوع پہ غور کرنیکی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی تو تھی مگر اسے دوستی یا پسندیدگی پر محمول نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی دنیا میں گم رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔

اماں جان! میں سوچ رہی ہوں کہ اگلے ہفتے ساحرہ اور شیری" کی منگنی کی رسم ادا کردی جائے۔" رابعہ بیگم نے ناظمہ خاتون کو مخاطب کرکے کہا تو سب ہی انکی طرف متوجہ ہوگئے۔ سعد نے معنی خیز نظروں سے اقصیٰ کیطرف دیکھا وہ بھی جواباً مسکرائی

تھی۔

بالکل۔ "ناظمہ خاتون نے سر کو تائیدی انداز میں جنبش دی۔"

نیک کام میں دیر کیسی بیٹا، بس اتوار کے دن رسم ادا کردیتے"

"ہیں۔

ساحرہ !اتوار کو تمہاری ڈیوٹی تو نہیں ہے ناں۔ "ثمینہ بیگم نے"

بیٹی سے پوچھا۔

پتہ نہیں ممی۔ "ساحرہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔"

.بیٹا آپ چھٹی لے لینا ناں۔ "شوکت مرزا نے کہا"

آئی کین مینیج پاپا،ڈونٹ وری۔ بس مجھے منگنی سے ایک دن"

پہلے یاد دہانی کروادیجیئے گا۔ وہ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے

کسی دوسرے کی منگنی میں شرکت کی بات ہو رہی ہو۔ شہیر خاموش تھا۔ ساحرہ کے چہرے پہ لاپرواہی کی تحریر تھی۔

اچھا میری نائٹ ڈیوٹی ہے۔ آئم گوئنگ، بائے بائے۔ "وہ" خصوصیت سے کسی کو بھی مخاطب کیئے بناء کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

آپی ایسی ہی ہیں شیری بھائی۔ "سعد نجانے کیوں اس وقت" شہیر کے چہرے کی جانب بہت غور سے دیکھ رہا تھا سو فوراً وضاحتی انداز میں بولا۔

میں نے کچھ کہا ہے کیا۔ "شہیر مسکرایا۔"

رویہ کسی کو بھی حیران strange نہیں لیکن نیچرلی آپی کا"

کر سکتا ہے۔ ”سعد صاف گوئی سے بولا۔
”تم کیسے بھائی ہو سعد؟ اپنی بہن میں سے نقص نکالتے ہو۔“
ثمینہ بیگم نے اسے گھر کا۔ وہ جواباً صرف کندھے اچکا کر رہ گیا۔
کول ڈاؤن چچی جان! میں ساحرہ کو بچپن سے جانتا ہوں۔ اور“
ویسے بھی ہم ٹین اتج سے نکل چکے ہیں۔ ”شہیر نے ماحول کو نارمل کرنیکی کوشش کی۔ ثمینہ بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
لیٹس گو بچہ پارٹی! گھومنے پھرنے چلتے ہیں۔ تم بھی چلو“
روحی۔ ”شہیر اٹھ کھڑا ہوا۔ سعد اور اقصیٰ تو فوراً تیار ہو گئے۔
ارسلان مجھے لینے آتے ہو نگے۔“ روحینہ نے عذر پیش کیا۔“

ارے یار اسے کال کردینگے ناں۔ اٹھو اب ہری اپ۔"اس نے" چھوٹے سنی کو اس کی گود سے لے لیا تو روحینہ کو بھی اٹھنا ہی پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب گھومنے پھرنے نکلے گئے تھے۔ اور ہال کمرے مین موجود گھر کے بڑے شہیر اور ساحرہ کی منگنی کے انتظامات کے متعلق ڈسکس کرنے لگے تھے۔

قدیم طرز کے پھاٹک سے اندر آؤ تو طویل پتھریلی روش کے کنارے کنارے لگے فینسی بلب پوری آب و تاب سے روشن تھے۔ وسیع و عریض سرسبز لان میں منگنی کی تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ بایئں باغ میں بنی مصنوعی جھیل پہ سایہ فگن کئے ہوئے

سایہ دار درخت پہ سجے برقی قمقموں کا عکس نیلگوں پانیوں کو سحر انگیز حسن بخش رہا تھا۔ جھیل پر بنے چھوٹے سے پل کو بھی برقی قمقموں سے منور کر دیا گیا تھا۔

عقبی پارک کے درختوں کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔اور اس خوبصورت احاطے کے درمیان پورے آب و تاب سے کھڑی مغل ہاؤس کی سفید ستونوں والی عمارت بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔

شہیر نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر کے مناظر پر نظر دوڑائی اور پھر اسکی نگاہیں جھیل کے خوبصورت پانی پر ٹھہر گئیں۔ چند لمحے وہیں کھڑے رہنے کے بعد وہ وہاں سے ہٹ کر آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سیاہ تھری پیس سوٹ میں اسکا دراز قد نمایاں ہو رہا

تھا۔ وہ بلا شبہ مغل ہاؤس کا سب سے ہینڈسم مرد تھا۔ اس نے خود پہ پرفیوم سپرے کیا اور اپنا موبائل اٹھا کر کمرے سے نکل آیا۔ ہر سو گہما گہمی تھی۔ ہر کوئی شادو مسرور نظر آرہا تھا۔ وہ مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے لان میں نکل آیا جہاں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

اوپری منزل پر سیڑھیوں کے اختتام پر بائیں طرف کے کمرے میں قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی اقصیٰ کے چہرے کے تاثرات سے واضح ہورہا تھا کہ وہ اپنی تیاری سے مطمئن نہیں تھی کچھ دیر سوچنے بعد اس نے اپنی لپ اسٹک کا شیڈ تھوڑا ڈارک کیا اور پھر گھوم پھر کر اپنا جائزہ لینے لگی۔ باٹل گرین کلر کے گھیرے دار

فراک میں اس کا متناسب سراپا بہت جچ رہا تھا۔ کانوں میں پہنے ہوئے سونے کے بڑے بڑے بالے اس کے گالوں کو ہولے ہولے چھو رہے تھے۔ اس کے جدید اسٹائل میں کٹے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ دائیں کلائی میں لباس کی ہمرنگ کانچ کی چوڑیاں ڈال رکھی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوبصورت نظر آرہی تھی۔اس کے چہرے پہ کم عمری کی معصومیت نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

اقصی! تم تیار نہیں ہوی ابھی تک؟ "سعد حسب عادت اونچا" اونچا بولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف پلٹی۔

تیار ہوں بس جوتے پہن لوں۔" اس نے اپنے ہائی ہیل سینڈلز" اٹھائے اور بستر کے کنارے ٹک گئی۔ سعد متبسم نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں آج بہت خوش ہوں۔"

سب ہی خوش ہیں آج تو۔ "وہ جھک کر اپنے سپید اور نازک" سے پیروں میں سینڈلز پہنتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں ذرا زیادہ خوش ہوں۔"

وجہ۔ "وہ سینڈل کا اسٹریپ بند کر رہی تھی۔"

بہت ہی خاص الخاص وجہ ہے۔ "وہ مبہم سا مسکرایا۔"

مجھے تمہارے سسپنس میں بالکل دلچسپی نہیں ہے۔ "وہ اکتائے"

ہوئے لہجے میں بولتی ہوئی اٹھ کر آئینے کے سامنے جا رکی۔

تم بھی سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔" وہ اسے تجسّس میں مبتلا کرنا" چاہتا تھا۔

سعدی مجھے تنگ مت کرو۔" وہ اپنا دوپٹہ شانے پہ پن اپ کر" رہی تھی۔

ایک بار پیار سے پوچھ لو۔" سعد نے اپنے موبائل میں اس کی" تصویر لیتے ہوئے کہا۔

بکو۔" وہ جھنجھلا گئی۔"

افسوس کہ تم کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ ہونے والے شوہر سے" کیسے بات کرتے ہیں۔" وہ تاسف سے سر ہلا کر بولا۔

کیا مطلب۔ "اقصیٰ نے غصے سے اسے گھورا۔"

مطلب یہ کی آپی اور شیری بھائی کے بعد ہمارا نمبر ہی آئیگا"

ناں۔ "وہ مزے سے بولا تو وہ جھینپ گئی۔

فضول نہ بولو۔ جاؤ یہاں سے۔ "وہ اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ"

تلاش کرنے لگی۔

اچھی لگ رہی ہو۔ "وہ اسکے کان کے قریب بولا۔"

سچ۔ "وہ خوشی سے پلٹی۔"

نہیں جھوٹ۔ "اس نے شرارت سے کہا تو اسکا منہ بن گیا۔"

"تم ایک فضول انسان ہو میں ہر گز تم سے شادی نہیں کرو نگی۔"

یہ اسکا پسندیدہ جملہ تھا۔

”تم ایک چڑیل ہو مگر میں پھر بھی تم سے ہی شادی کرونگا۔“

سعد کا بھی ہمیشہ یہی جواب ہوتا تھا۔ اقصیٰ نے اسکے شانے پر ایک دھپ لگائی۔

چلو نیچے چلیں۔ اور سنو !اپنے اس لنگور سے فوٹو گرافر دوست سے کہہ دینا کہ میری اچھی اچھی تصویریں بنائے۔ سنی کے برتھ ڈے پر اس نے میری جتنی بھی تصویریں لی تھیں کسی میں میری آنکھیں بند تھیں تو کسی میں منہ کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔ وہ اسے دھکیل کر کمرے سے باہر لاتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی۔

تمہارا منہ ہی ایسا ہے فوٹو گرافر بیچارہ کیا کرے۔“اس نے“

سنجیدگی سے اسے چڑایا۔
بکواس مت کرو۔" وہ برا سا منہ بنائے ہوئے کہہ کر تیزی سے" زینے طے کرنے لگی۔ سعد شرارتی سی مسکراہٹ کیساتھ اسکے پیچھے پیچھے تھا۔
لان میں گہما گہمی تھی۔ فضا میں ملی جلی خوشبوئیں چکرا رہی تھیں۔ پائیں باغ میں ایک جانب باربی کیو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شہیر صولت مرزا کے ساتھ بزنس کے حلقہ احباب میں کھڑا تھا۔ دفعتاً اسے رابعہ بیگم سے کچھ کام یاد آیا تو وہ انکی تلاش میں گھر کے اندر چلا آیا۔ وہ مختلف کمروں سے چکراتا ہوا کچن تک آیا تو اس کے قدم بے اختیار دروازے پہ ہی تھم گئے۔ اندر سے باتوں

کی آوازیں آ رہی تھیں۔

بھابی ! کیا حرج ہوگا اس میں؟ "یہ سطوت پھپھو کی آواز تھی۔"

بہت حرج ہے۔ "رابعہ بیگم کا لہجہ سخت تھا۔"

بھابی ! میں نے کئی سالوں سے اسے نہیں دیکھا۔ "سطوت کی" آواز میں حسرت تھی۔

یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ اس گھر میں تمہیں جگہ ملی ہوئی ہے" "اس کو ہی غنیمت جانو۔ زیادہ پاؤں پھیلانے کی ضرورت نہیں۔

رابعہ بیگم کی آواز میں کرختگی تھی۔ شہیر متجسس سا وہیں کھڑا رہا۔

"یہ آپ سب کا احسان ہے مجھ پر بھابھی مگر میں اپنی مامتا کا گلا کیسے گھونٹ دوں؟"

"اے بی بی! تم جیسی بیٹیوں کا تو غیرت کے نام پر ہی گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ تم تو بہرحال خوش قسمت ہو کہ صرف اپنی مامتا کا گلا گھونٹنا پڑ رہا ہے تمہیں۔" رابعہ بیگم کی آواز میں نفرت تھی۔ سطوت کی آواز دوبارہ نہ آئی تھی۔ شہیر وہاں سے ہٹ گیا۔

کچھ دیر بعد منگنی کی رسم کی ادائیگی کے لیئے شہیر اور ساحرہ کو اسٹیج پہ لاکر بٹھایا گیا۔ سلور ایمبرائیڈری والی آف وائیٹ میکسی میں ہلکے ہلکے میک اور جیولری کے ساتھ آف وائیٹ لمبا سا

زرتار دوپٹہ سر کی پشت پہ ٹکائے سٹائلش سی ساحرہ کا سنجیدہ سا حسن بہت دلکش لگ رہا تھا۔ تمام حاضرین کی ستائشی نظریں اس خوبصورت سی جوڑی پر مرکوز تھیں۔ منگنی کی رسم کی ادائیگی کے بعد شہیر کی نظریں بلا ارادہ ہی ایک جانب قدرے الگ تھلگ کھڑی سطوت پھپھو کی طرف اٹھ گئیں۔ سادہ سے کاٹن کے جوڑے میں ملبوس وہ اس گھر کے ملازموں سے بھی کم تر نظر آرہی تھیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ حشمت مرزا اور ناظمہ خاتون کی اکلوتی لاڈلی بیٹی سطوت ہے۔ شہیر کو لگا ان کی گہری براؤن آنکھوں میں نمی تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد خوش باش لوگوں کے اس ہجوم کی طرف دیکھا۔ ان مگن و مسرور لوگوں کو

کچھ خبر نہ تھی کہ اس گھر کی لاڈلی بیٹی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ کھانے کا دور چلا تو سعد حسبِ عادت اقصیٰ کے پاس چلا آیا۔ وہ دونوں بچپن سے اکھٹے کھانا کھانے کے عادی تھے۔ وہ دونوں ایک قدرے دور افتادہ میز پر آ بیٹھے۔

آپی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" اقصیٰ نے اشتیاق سے کچھ فاصلے پہ اپنے کولیگز کے ساتھ کھڑی ساحرہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ہوں..... "سعد نے ہنکارا بھرا تھا۔"

اقصیٰ !کیا تمہیں لگ رہا ہے کہ ان دونوں کی ابھی منگنی" ہوئی ہے؟ "سعد نے کچھ دیر بعد پوچھا تھا۔ اقصیٰ نے سر اٹھا کر

اسکی طرف دیکھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

مطلب صاف ہے یار۔ ابھی ابھی دونوں کی منگنی ہوئی ہے۔" نیچرلی دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ نظر آنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ دونوں اپنے اپنے حلقہ احباب میں مگن ہیں۔"سعد صحیح کہ رہا تھا۔ ساحرہ اپنے ہاسپٹل کے کولیگز کے ساتھ نظر آرہی تھی جبکہ شہیر اپنے دوستوں کے ساتھ محو گفتگو تھا۔

ہر کوئی ہماری طرح تو نہیں ہوتا سعدی کہ ہر وقت ایک" دوسرے کے سر پر سوار رہیں۔"اقصیٰ کندھے اچکا کر بولی۔

جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں وہ ہماری طرح ہی"

ہوتے ہیں اقصیٰ۔ ”سعد نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔ اقصیٰ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

مگر میں تو تم سے محبت نہیں کرتی۔ ”وہ شرارت سے بولی“" تھی۔

لیکن میں تو کرتا ہوں۔ ”وہ اب بھی سنجیدہ ہی نظر آرہا تھا۔“

لیکن ان دونوں کے درمیان محبت تو دور کی بات انسیت بھی“ نظر نہیں آتی۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر ایک دوسرے سے منگنی کرلی ہے۔ ”سعد کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

تم تو بال کی کھال اتارنے بیٹھ جاتے ہو۔ وہ دونوں کوئی دودھ“ پیتے بچے نہیں ہیں۔ دونوں کی رضامندی اس رشتے میں شامل

ہے۔"اقصیٰ نے اکتا کر کہا تھا۔

"آپی اور شیری بھائی کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور نیچر سے پیار کرنے والے romantic شیری بھائی ایک practical approch رکھتی ہیں۔ انسان ہیں جبکہ آپی حددرجہ وہ تو انڈہ بھی کھانے لگتی ہیں تو ذائقے سے زیادہ اس بات پر توجہ دیتی ہیں کہ اس کے کھانے سے پروٹین حاصل ہوتی ہے۔ ان کی لائف میں دوائیوں، انجیکشنز اور آپریشنز کی علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک بالکل ہی بےجوڑ مچلنا ہے۔"سعد نے حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا تھا۔

پتہ نہیں تم کیسی باتیں کرتے ہو۔"اقصیٰ نے ناک چڑھا کر"

کہا۔

"سچ کہتا ہوں۔"

"مگر میں تمہارا سچ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ چلو چل کر تصویریں بنوائیں۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

اگلا روز معمول کے مطابق طلوع ہوا تھا۔ ساحرہ تو آدھی رات کو ہی کسی ایمرجنسی کی وجہ سے ہاسپٹل چلی گئ تھی۔ ناشتے کے بعد صولت مرزا اور شوکت مرزا آفس چلے گئے۔ گرمیوں کی چھٹیاں اختتام پذیر ہوچکی تھیں اسلیئے سعد اور اقصیٰ بھی یونیورسٹی

چلے گئے. روحینہ بھی رات کو ہی اپنے گھر جا چکی تھی لہٰذا اب گھر میں کافی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شہیر ذرا دیر سے سو کر اٹھا تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے دوستوں سے ملنے چلا گیا۔ اس کا اور ساحرہ کا کل رات کے بعد سے سامنا نہ ہوا تھا۔

شہیر کو وہ اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے باوجود کبھی دل کے قریب محسوس نہ ہوئی تھی۔ اس کا دل کبھی بھی اس کے خیال پر کسی انجانی سی لے پہ نہ دھڑکا تھا۔ اس نے شعور کی سرحد پر قدم رکھتے ہی سب بڑوں سے یہ سنا تھا کہ ساحرہ کو اسکی شریک حیات بننا ہے سو وہ مطمئن ہو کر بس پڑھائی اور پڑھائی کے بعد اپنے سیاحت کے شوق کو پورا کرنے میں مصروف ہو گیا۔ دوسری

جانب ساحرہ بھی ایک پریکٹیکل سوچ کی مالک انسان تھی بچپن تھا، ڈاکٹر بننا۔ اور اس خواب کو passion سے اس کا ایک ہی حقیقت بنانے کیلیے، اس نے بہت محنت کی تھی۔ وہ دونوں مغل ہاؤس کا فخر تھے۔ لائق فائق اور ہونہار۔ تبھی اس گھر کے بڑے ان دونوں کو ہمیشہ ایک ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔

شہیر اپنے دوستوں کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر گھر لوٹا تو شام ڈھل چکی تھی۔ ہال کمرے میں چائے کا دور چل رہا تھا۔ سعد اور اقصیٰ کی نوک جھونک جاری تھی۔ وہ بھی انہی کے پاس آ بیٹھا۔

کہیے، شیری بھیا اب تو آپ واپس امریکہ جانے کا پلان نہیں"

کرینگے ناں؟" سعد نے اسے مخاطب کیا تھا۔

کیوں بھلا اب کیوں پلان نہیں کروں گا؟" اس نے چائے کا گھونٹ بھر کر پوچھا۔

اس کا مطلب ہے کہ اب تو آپکی منگنی ہو گئ ہے ناں۔" اقصیٰ" نے وضاحت کی۔

منگنی کا میرے سیاحت کے شوق پہ بھلا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟" اس" نے الٹا سوال کیا تھا۔

centre of زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی رونما ہو جانے کے بعد" intrest بدل نہیں جاتا کیا۔" سعد نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

مے بی۔ لیکن فی الحال قریہ قریہ گھومنے سے زیادہ چارم اور"

centre of کسی بات میں نظر نہیں آتا اور جہاں تک بات ہے کی تو نیچر ہی میری ہر دلچسپی کا مرکز ہے۔ اور یہی intrest دلچسپی مجھ سے در در کی خاک چھنواتی ہے۔" وہ تفصیل سے بات کرنے کا عادی تھا۔

نیچر تو ہر جگہ ہے غور کرنے کی بات ہوتی ہے بس۔" سعد" بولا۔

ہاں۔ مگر۔۔۔۔" وہ ابھی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ ہال" کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور اندر داخل ہونے والے نفوس کو دیکھ کر سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہیر کے لیے وہ دونوں چہرے اجنبی تھے۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟ "صولت مرزا نے ناگواری سے ان"
میں سے ایک کو مخاطب کیا تھا۔
ہم صرف یہ بتانے کیلیے آئے ہیں کہ دو دن قبل نوید احمد کا"
انتقال ہوگیا ہے۔"ان میں ایک جو ادھیڑ عمر شخص تھا سپاٹ لہجے
میں بولا تھا جبکہ دوسرا نوجوان بلکل خاموش کھڑا تھا۔
چائے کے برتن سمیٹتی سطوت کے ہاتھ بری طرح لرزے اور
ایک پیالی گر کر کرچی کرچی ہوگئ۔ ناظمہ خاتون تھکے تھکے انداز
میں صوفے پہ بیٹھ گئیں، ان کے جھریوں زدہ چہرے پہ عجیب
سے کرب کی تحریر تھی۔
ہمارے لیۓ وہ سترہ سال قبل ہی مر گیا تھا۔ تم اب یہ اطلاع"

لے کر کیوں آئے ہو؟" صولت مرزا کے لہجے کی ناگواری برقرار تھی۔ شوکت مرزا اور رابعہ بیگم بھی نفرت انگیز انداز میں اسے گھور رہے تھے۔ ثمینہ بیگم ناظمہ خاتون کے شانے پہ بازو پھیلائے بیٹھی جیسے انہیں سہارا دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ سعد، اقصیٰ اور شہیر کے چہرے پر حیرت تھی۔ جبکہ ساحرہ موجود نہ تھی۔

صولت مرزا تمہارے اس عالیشان محل میں قدم رکھنے کا نہ کل شوق تھا نہ آج ہے۔ ہم تو تم لوگوں کی چیز لوٹانے کے لیے آئے ہیں۔" ادھیڑ عمر آدمی کے لہجے میں بھی گہری تلخی تھی۔

کون سی چیز۔۔۔ کیسی چیز؟" صولت مرزا ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھ رہے تھے۔ سطوت بے قراری سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

میری بیٹی کہاں ہے؟ "وہ گھٹی گھٹی آواز میں چلا اٹھی۔

اسی کو لے کر آئے ہیں ہم۔ نوید احمد کے بعد اس کا وہاں رکنے " کا کوئی جواز نہیں۔ ہمارے گھر میں اب تمہاری اولاد کے لیۓ کوئی جگہ نہیں ہے۔ اندر آؤ لڑکی۔ "ادھیڑ عمر آدمی نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولتے بولتے اونچی آواز میں پکارا تھا۔ ڈھیلی سی چال چلتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ لمبی سی سیاہ چادر میں لپٹی معصوم سی لڑکی جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ آدھا چہرہ چادر میں چھپائے، نظر زمین میں گڑوئے وہ چپ چاپ آ کر ادھیڑ عمر آدمی کے قدرے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئ تھی۔

اوہ یہ۔۔۔ اسکے لیۓ یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ لے جاؤ اس کو"

ادھر سے۔" صولت مرزا نے اس لڑکی کی جانب انگلی اٹھا کر نفرت آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"بھائی صاحب۔" سطوت جیسے کرب سے چلائی تھی۔

"یہ تم لوگوں کا معاملہ ہے۔ چاہے رکھو چاہے باہر پھینک دو۔ چلو بیٹا۔" ادھیڑ عمر آدمی لاپروائی سے کہتا اپنے بیٹے کے ہمراہ جانے کو پلٹ گیا۔

"چاچو مجھے ساتھ لے جائیں۔ میں آپ سب کی خدمت کروں گی۔" وہ لڑکی اپنی مدھر آواز میں ان کی منت کر رہی تھی۔

"یہ تیری ماں ہے اسکی خدمت کر۔" وہ اسکو پرے ہٹا کر جا چکے تھے۔ وہ اپنا چہرہ اپنے مرمریں سپید ہاتھوں سے ڈھانپے سسکنے

لگی۔

”یہ لڑکی یہاں ہرگز نہیں رہ سکتی۔“رابعہ بیگم نے ان دونوں کے جاتے ہی واویلا کرنے کے سے انداز میں کہا۔

”میری بچی۔۔۔۔“سطوت تڑپ کر اسکی جانب بڑھی تھیں۔ انہوں نے اس کے ہچکیاں لیتے نازک سے وجود کو خود سے لگا لیا۔

”اماں جان آپ کیوں چپ ہیں؟“رابعہ بیگم ناظمہ خاتون کی طرف پلٹی۔

”اماں جان !میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے۔ اس ذلیل شخص کی اولاد کو اس گھر میں پناہ نہیں

مل سکتی۔" صولت مرزا قطعیت سے کہہ رہے تھے۔

"کہاں جائے گی یہ معصوم بچی۔۔ اماں جان یہ میری بیٹی ہے۔ سترہ سال میں نے اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر گزارے ہیں۔ اب میں اس کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔" سطوت جیسے پھٹ پڑی تھیں۔ اپنی بیٹی کو خود سے چمٹائے وہ جیسے ہر طوفان کا مقابلا کرنے کو تیار کھڑی تھیں۔

"اے بی بی یہ جذباتی تقریریں ہم پر اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ اگر اتنی ہی ممتا جاگ رہی ہے تو اس گندگی کی پوٹ کے ساتھ تم بھی دفعان ہو جاو یہاں سے۔" رابعہ بیگم ہاتھ نچا کر بولی تھی۔

شہیر نے ناگواری سے ماں کی طرف دیکھا۔

بڑی بہو خاموش ہو جاؤ۔ یہ گھر سطوت کے باپ کا ہے اور اس" کا بھی پورا حق ہے اس گھر پہ۔ سطوت یہ یہیں رہے گی۔ اسے کمرے میں لے جاو۔ "ناظمہ خاتون کی مضبوط آواز کمرے میں گونجی۔ سطوت کے چہرے پر رونق دوڑ گئی۔ جبکہ رابعہ بیگم منہ ہی منہ میں بڑ بڑانے لگیں۔ صولت مرزا بھی کچھ نہ بولے تھے۔ ناظمہ خاتون اس گھر اور بزنس کی مالکن تھیں۔ اور کہیں بیٹی کی محبت کے غالب آ جانے پر وہ سطوت کو اسکا حصہ دے دیتی تو صولت مرزا اور شوکت مرزا کی اس شان و شوکت میں بہت زیادہ تو نہیں لیکن تھوڑا بہت فرق پڑ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ رابعہ اور ثمینہ بھی کچھ نہ بولی تھیں۔ گھر پر عجیب ماتمی سی

فضا چھا گئی تھی۔

حشمت مرزا ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ان کی شریک حیات ناظمہ خاتون ایک باسلیقہ عورت تھیں،ان میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو ایک نیک اور وفاشعار بیوی میں ہونی چاہیئیں، وہ دو بیٹوں کے باپ تھے۔ان کے دونوں بیٹے لائق اور فرمانبردار تھے۔ زندگی ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی مگر حشمت مرزا کے دل میں ایک بیٹی کی حسرت ہر لمحہ پنپتی رہتی تھی۔شادی کے دسویں برس انھوں نے اپنا آبائی گھر فروخت کرکے شہری آبادی سے دور قدرے ویرانے میں ایک خوبصورت گھر تعمیر کروالیا۔ یہ ان کے

اور ناظمہ خاتون کے خوابوں کا گھر تھا۔ انھوں نے اس گھر کو مغل ہاؤس کا نام دیا۔ لوگ ان کی زندگی پر رشک کرتے تھے مگر ان کے لبوں پر تو اٹھتے بیٹھتے خدا سے بس ایک بیٹی کی دعا رہتی تھی۔اور پھر بالآخر اللہ نے انکی دعا سن لی۔شادی کے چودھویں سال وہ ایک بہت خوبصورت بیٹی کے باپ بن گئے۔ حشمت مرزا نے جی بھر کر خوشیاں منائی اور ننھی گڑیا کا نام سطوت رکھا۔ان کے دونوں بیٹے صولت مرزا اور شوکت مرزا ننھی بہن کے دیوانے تھے۔ سطوت لاڈ پیار میں پلتی گئ۔مگر اس بے حد لاڈ پیار کے باوجود اس کے مزاج میں دھیما پن تھا۔ لیکن وہ ضدی تھی اور اپنی ہر بات منوانے کی عادی تھی۔

وہ گیارہ سال کی ہوئی تو حشمت مرزا نے اپنی بھانجی رابعہ کو صولت کے لیئے پسند کرلیا۔ پھر جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔وہ بے حد اشتیاق سے رابعہ کے آس پاس منڈلاتی رہتی۔ رابعہ ذرا تیز مزاج کی تھی مگر سطوت کو کچھ کہہ نہیں سکتی کہ وہ تو صولت کی بھی آنکھ کا تارا تھی۔

ٹھیک ایک سال بعد شہیر پیدا ہوا تو سب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ سطوت کو تو جیسے کوئی کھلونا مل گیا تھا اور وہ تھا بھی تو کتنا پیارا۔ سرخ و سفید رنگت۔ اونچی ستواں ناک ، تیکھے نکوش اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔اس نے سارے نقوش سطوت کے چرائے تھے صرف آنکھیں رابعہ جیسی تھیں۔وقت گزرتا گیا

دو سال بعد شوکت مرزا کی شادی ناظمہ خاتون کی دور پار کی بھتیجی ثمینہ سے کر دی گئی۔ ثمینہ کا مزاج رابعہ کے معاملے میں بہت دھیما تھا۔وہ کافی کم گو واقع ہوئی تھی۔ سطوت کے ساتھ ثمینہ کا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔یہی وجہ تھی کی وہ ثمینہ سے کافی جلدی مانوس ہو گئی تھی۔

ایک سال بعد وہ میٹرک میں شاندار نمبروں سے پاس ہو گئی تو گھر میں شاندار پارٹی رکھی گئی۔اسی روز رات کے آخری پہر ثمینہ نے ایک بچی کو جنم دیا تھا۔ گھر بھر کی خوشی کا کوئی عالم نہ تھا۔ حشمت مرزا بے حد مسرور تھے۔

بچی کو گود میں لیتے ہی انھوں نے بےساختہ اسے ساحرہ کا نام

دیا تھا۔وہ سچ مچ ساحرہ ہی تو تھی، بے حد خوبصورت۔۔۔

سطوت کو کالج میں داخل کروادیا گیا۔ حشمت مرزا کی شدید خواہش تھی کہ ان کی بیٹی خوب سارا پڑھ لکھ لے۔وہ خود بھی مطالعے کے بہت شوقین تھے۔اور انھوں نے مغل ہاؤس میں ایک بڑی سی لائبریری بنوا رکھی تھی .جس میں کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ وہ اور سطوت گھنٹوں وہاں بیٹھ کر مختلف کتابوں پر بحث کرتے .سطوت اب سیکنڈ ائیر میں تھی .اس کے کالج میں debate کا مقابلہ منعقد ہوا .مختلف کالجوں سے طالبات اور اساتذہ آئے تھے .انہی میں کسی مقامی گرلز کالج کے میتھس کے لیکچرار نوید احمد بھی تھے .وہ نسلاً پٹھان تھے سو قدرت کی صناعی کا

ایک بہترین شاہکار تھے .ان کی عمر تیس کے قریب تھی . سطوت نے ان کو دیکھا اور پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھی .اس نے خود ہی ان سے تعارف حاصل کرنے میں پہل کی تھی .اور سطوت کی شخصیت ہرگز بھی ایسی نہ تھی جس کو آسانی سے نظر انداز کیا جاسکتا .سو پہلی ہی ملاقات میں نوید احمد بھی اسکی گہری بھوری ساحر آنکھوں کے اسیر ہوگئے .انھوں نے اسے اپنا کارڈ دے دیا جس پہ انکا کانٹیکٹ نمبر موجود تھا .سطوت کئی دن تک اس مخمصے کا شکار رہی کہ ان سے رابطہ کرے یا نہ کرے .ابو کی محبت انکا مان اور اماں جان کی تربیت اس کے پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی تھی .مگر جب دل کی بے تابیاں عروج پہ پہنچ گئیں تو اس نے ان کو

فون کر ہی ڈالا . دوسری جانب بھی بے چینیاں حد سے سوا تھیں . انکے درمیان ملاقات کی ٹھہری . سطوت کا دل ایک بار پھر لرزا. ابا جان کو دھوکہ دینے کا خیال اسکے قدم روک رہا تھا لیکن بالاآخر نوخیر چاہت کے آگے پرانی محبتیں ماند پڑ گئیں اور وہ نوید احمد سے ملنے چلی آئی۔ انہوں نے اس کو صاف صاف کہہ دیا کہ وہ فوراً سے پیشتر اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں . وہ گھبرا گئی . وہ صرف سترہ سال کی تھی اور ابھی تو اسے بہت سا پڑھنا تھا ابا جان کا خواب پورا کرنا تھا . لیکن اس کے تمام ارادے نوید کی محبتوں کے آگے ریت کی دیوار ثابت ہوئے . وہ اپنا ہر خواب اس محبت پر قربان کردینے کو تیار ہو گئی .نوید احمد کا تعلق متوسط طبقے

کے ایک تنگ نظر گھرانے سے تھا .دو جوان بہنوں، دو بھائیوں
اور ایک بیوہ ماں کی کفالت کی ذمے داری ان پر تھی .اور ان کی
دو نوکریوں سے بھی اتنی آمدن نہ ہو پاتی تھی جتنا سطوت ایک
وقت کی شاپنگ میں خرچ کردیا کرتی تھیں .نوید کی نسبت بچپن
سے اپنے ماموں کی لڑکی سے طے تھی .اور ان کے گھر کا ماحول
ہرگز بھی ایسا نہیں تھا جہاں لو میرج کو بزرگوں کی حمایت
حاصل ہوتی .جب انہوں نے اپنی والدہ کے سامنے سطوت کا نام
رکھا تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا . بات ماموں کے گھر تک پہنچی تو
جھگڑا مزید بڑھ گیا . مگر نوید اپنی ضد پہ اڑے رہے . بلاآخر ان کی
گھر چھوڑ دینے کی دھمکی کارگر رہی اور ان کی والدہ کو ہتھیار

ڈالنے ہی پڑے .وہ سطوت کا ہاتھ مانگنے مغل ہاؤس چلی آئیں. سطوت کے ماں باپ اس غیر متوقع سچویشن پہ حیرت زدہ رہ گئے تھے .ساتھ ہی ساتھ نوید کی ماں کا اکھڑا اکھڑا سا رویہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ وہ صرف اپنے بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کر چلی آئی ہیں . حشمت مرزا نے سبھاؤ سے بات سنبھالی اور سوچنے کا وقت مانگ لیا .نوید کی ماں کے جانے کے بعد سطوت گھر کی عدالت میں طلب کی گئی اور اس نے صاف صاف کہہ ڈالا کہ وہ نوید کو پسند کرتی ہے اور شادی بھی انہی سے کرے گی .اس کی دیدہ دلیری پہ گھر میں ہنگامہ برپا ہوگیا . بھائی اس کی بے باکی پہ چراغ پا ہوگئے جبکہ ناظمہ خاتون نے تو اسے کافی لعن طعن کی

تھی .رابعہ بیگم نے دبی زبان سے کافی کچھ کہہ سنایا. ثمینہ اس موقع پہ بھی ہمیشہ کیطرح چپ ہی رہی تھیں . حشمت مرزا نے اسے محبت سے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے نہ ماننا تھا نہ وہ مانی .نوید کی ماں کا رویہ ان کے لیئے باعثِ تشویش تھا وہ اپنی نازوں پلی گڑیا کسی ناقدرے کے حوالے کرنے کو تیار نہ تھے .انہوں نے اپنے تمام تحفظات سطوت کے آگے بیان کردیئے.

"ابا جان ! میں آپ کی بیٹی ہوں اور ہر طرح کی سچویشنز کو ہینڈل کرنا جانتی ہوں .آپ مجھ پہ ٹرسٹ کریں .نوید بہت اچھے ہیں .مجھے بہت چاہتے ہیں .وہ مجھے بہت خوش رکھیں گے۔" وہ

.مکمل پر اعتماد نظر آرہی تھی

نوید اکیلا نہیں ہے بیٹا اس کا ایک بھرا پرا خاندان ہے .اور اس"
"کی ماں تمہیں دل سے قبول کرنے کو تیار نظر نہیں آرہی۔

حشمت مرزا کا دل انجانے خدشات سے لرز رہا تھا۔

"نوید ہر حال میں میرا ساتھ دینگے ابا جان۔"

"بیٹا شادی کے بعد حالات یکسر بدل جاتے ہیں۔"

مگر نوید کبھی نہیں بدلیں گے ابا جان۔ مجھے ان پر مکمل اعتبار"
.ہے۔ میں انہی سے شادی کروں گی۔ "وہ قطعیت سے بولی تھی

وہ خاموش ہوگئے .ان کی اکلوتی لاڈلی فیصلہ کر چکی تھی .اس کے

بعد سب معاملات خوش اسلوبی سے طے پا گئے .اماں جان اور اس

کے دونوں بھائی اور بھابھیاں اس شادی پہ دل سے خوش تو نہ تھے مگر حشمت مرزا کے فیصلے کے آگے سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

شادی پہ حشمت مرزا سطوت کو بہت کچھ دینا چاہتے تھے مگر نوید نے سہولت سے انکار کر دیا اور اسکی اس خود داری نے سطوت کے دل میں اسکا مقام بہت بڑھا دیا تھا۔

رخصت ہو کر وہ جیسے محل سے جھونپڑے میں آئی تھی۔ پانچ کنال کے وسیع و عریض رقبے پہ پھیلے مغل ہاؤس کے سامنے نوید احمد کا پانچ مرلے کا ڈبل اسٹوری گھر بالکل ڈربہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ گھر میں کل پانچ کمرے تھے جن میں سے ایک اس کے اور

نوید کے حصے میں آیا تھا۔ نوید کے چھوٹے بہن بھائی گو کہ اتنے بھی چھوٹے نہ تھے مگر ہمہ وقت لڑتے جھگڑتے رہتے۔ اس کی ماں ایک بدزبان اور جھگڑالو عورت تھی۔ نوید اس جاہلانہ ماحول سے بالکل الگ تھے۔ انہوں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ survive اس گھر میں اسکو بہت کرنا پڑے گا۔ نوید کی پسند کی شادی کے باعث ان کے ماموں کے گھرانے نے ان کے گھروالوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور اس بات کے طعنے سطوت کو اٹھتے بیٹھتے ملا کرتے تھے۔ مگر وہ صبر سے کام لیتی۔

نوید کو اپنی جوان بہنوں کی شادیوں کی فکر تھی۔ وہ انہیں تسلی دیتی اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ اس کے دونوں دیور

پڑھنے کے معاملے میں انتہائی نکمّے اور آوارہ گرد تھے وہ اکثر سوچتی کہ اگر یہ دونوں بھی کوئی چھوٹا موٹا کام کرلیں تو گھر کا بار اکیلے نوید کے کاندھوں پر ہی نہ پڑا رہے۔ لیکن یہ بات وہ کہنے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس کی شادی کے کچھ ہی دنوں بعد اس کی ساس نے اس پہ گھر کے تمام کاموں کی ذمے داری ڈال دی۔ وہ اپنے اناڑی ہاتھوں سے کام کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی اور اسکی ساس اس کی بد سلیقگی پہ اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا کرتیں۔ وہ نوید کے سامنے شکوہ کرتی تو وہ بالکل بے نیاز بن کر کہتے کہ گھر کے مسئلوں سے انہیں دور ہی رکھا جائے وہ چپ ہوجاتی۔ اس کی شادی کے چند ماہ بعد ہی صولت مرزا کے ہاں

بیٹی کی ولادت ہوئی تھی۔ بچی کا نام روحینہ رکھا گیا۔ اس کی ساس نے اس کے بارہا کہنے پر بھی اسے وہاں جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس نے نوید سے شکایت کی تو وہ بھی بھڑک اٹھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ نوید کی خاطر اس نے خود کو سرتاپا بدل ڈالا تھا۔ وہ مغل ہاؤس کی شہزادی نوید احمد کے گھر آ کر خادمہ بن گئی تھی۔

بہرحال وقت برا بھلا گزرتا گیا۔ ایک ایک کرکے اس کی دونوں نندوں کی شادیاں ہوگئیں اور ایک دیور ملک سے باہر چلا گیا۔
اس کی شادی کو چار سال ہونے کو آچکے تھے مگر اس کی گود خالی تھی اور اب تو اسے اٹھتے بیٹھتے بانجھ ہونے کا طعنہ بھی ملنے لگا

تھا۔ ان گزرے برسوں میں مغل ہاؤس کے ساتھ اسکا رابطہ مکمل منقطع ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک دو بار حشمت مرزا اس سے ملنے آئے بھی تو اس کی ساس نے انہیں باہر سے ہی چلتا کر دیا۔ وہ اس جہنم میں بالکل تنہا ننگے پاؤں سفر کرتی جا رہی تھی جہاں کوئی بھی اس کا اپنا نہ تھا۔۔ نوید بھی نہیں۔۔

بہر حال شادی کے چار سال بعد اسے ماں بننے کی خوشخبری ملی تو نوید احمد کے رویے میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی وہ اس کا خیال رکھنے لگے اس کے ساتھ زیادہ وقت بتانے لگے۔ اتنے عرصے بعد وہ ماں بن رہی تھی تو اسے بیٹے کی ماں بننا تھا مگر قسمت نے یہاں بھی اسکا ساتھ نہ دیا۔ وہ بیٹی کی ماں بنی تھی۔

نوید کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے جی بھر کر خوشیاں منائیں اور بچی کا نام سجل نوید رکھا۔ سجل کی آمد نے ان دونوں کی ازدواجی زندگی پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ محبت جو وقت کی گرد میں کہیں دب گئی تھی وہ پھر سے ان دونوں کے درمیان جاگنے لگی تھی۔ گزشتہ چار سالوں کی تلخیاں جیسے سجل کی معصوم ہنسی میں گم ہو کر مٹنے لگی تھیں۔ سجل ایک برس کی ہوئی تو نوید نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی کی بھی شادی کردی۔ ذمے داریوں کے بوجھ اب نوید کے کاندھوں سے کافی حد تک سرک چکے تھے۔ ایک طویل جد و جہد کے بعد سطوت کو لگا تھا کہ اب وہ اور نوید اپنی بیٹی کیساتھ ایک بھرپور زندگی گزار سکیں گے مگر

قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

نوید کی چھوٹی بہن کا اپنی سسرال میں کچھ جھگڑا چل رہا تھا جس کے باعث وہ اور اسکا میاں کچھ عرصے کیلیئے انکے گھر ہی آ کر رہنے لگے. سطوت کو نوید کا یہ بہنوئی بالکل نہ پسند تھا. عجیب سی گھورتی ہوئی نظریں سے تکتا تھا. بدن کے آر پار ہوتی اسکی نگاہوں سے سطوت کو چڑ تھی. وہ تھا بھی کافی بے باک. سطوت تو اس سے کتراتی ہی رہتی مگر گھر تھا ہی کتنا بڑا. سامنا ہو ہی جاتا تھا. وہ اسے کہیں نہ کہیں جا ہی لیتا اور پھر بہانے بہانے سے اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا. ایک ہفتہ تو سطوت برداشت کرتی رہی مگر جب ایک روز وہ رات کے وقت کچن

میں کھانا تیار کر رہی تھی تب وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے کچن میں آ دھمکا اور بے باکی سے اسکا ہاتھ تھام لیا تو اسکا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے گھما کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس اوباش انسان کے چہرے پہ رسید کر دیا تھا. اس نے واویلا کر دیا نتیجا وہاں اچھا خاصا مجمع لگ گیا۔ نوید بھی گھر پر تھے۔ اس کی نند کے شوہر نے سب کے سامنے کہا کہ سطوت ایک فحشہ ہے جو اسے اکساتی رہی ہے۔ قصہ مختصر کہ اس نے وہی پرانی چال چلی تھی۔ اور سب اسکی چال میں آ گے تھے۔ اسکی ساس اور نند اسے. برا بھلا کہہ رہی تھیں اور نوید۔۔۔ وہ بالکل خاموش کھڑے تھے۔ سطوت کا دل کانپا تھا۔ اسکی نند دہائیاں دے رہی تھی کہ اس کے نیک شریف میاں پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی گئ۔ اس نے نوید کو جھنجھوڑ کر اسکی

غیرت کو آواز دی۔ اسکی ساس نے نوید کو مرد بننے کی ترغیب دی۔ نوید احمد کی غیرت اور مردانگی آن واحد میں جاگی تھی۔ اور اس باغیرت مرد نے اپنی زبان سے وہ تین حرف ادا کر کے دروازے کو زور سے ٹھوکر ماری اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اسکی ساس اور نند نے اسے دھکے دے کے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ اور وہ اپنے اس محل کی طرف لوٹ آئی تھی۔ جہاں پہ وہ کبھی ایک شہزادی تھی۔ حشمت مرزا نے اپنی لاڈلی پہ گزرنے والے الم کی داستان سنی تو برداشت نہ کر پائے اور چند دن انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں جانکنی کے عالم میں رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ صولت مرزا نے نوید احمد سے ملنے کی کوشش کی تو اس نے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا

کہ بد کردار سطوت کے پاس وہ اپنی معصوم بیٹی کو کبھی بھی نہ بھیجے گا۔

صولت مرزا نے سطوت کو صاف صاف کہہ ڈالا تھا کہ اس گھر میں رہنا ہے تو سجل کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ نوید احمد جیسے گھٹیا آدمی کی اولاد کی مغل ہاؤس میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ناظمہ خاتون نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ مغل ہاوس میں اب رابعہ بیگم کی حکمرانی تھی۔ سو سطوت نے لب سی لیے تھے۔ مغل ہاؤس میں اب دو نفوس کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ثمینہ کا بیٹا سعد جو کہ تین سال کا تھا۔ اور رابعہ کی بیٹی اقصیٰ جو ڈیڑھ سال کی تھی۔ وقت گزرتا گیا سطوت اس گھر میں ملازموں کی سی زندگی گزارتی رہی۔ سجل کا خیال ہر وقت انکے دل میں رہتا تھا۔ انکی ایک سالہ بیٹی جیسے وہ سوتا ہوا چھوڑ آئی تھیں۔۔۔۔ نجانے کیسی ہو گی اب۔۔۔۔

وہ اکثر سوچتی مگر کسی سے کہہ نہ پاتی تھیں۔ پھر اتنے سالوں بعد شہیر اور ساحرہ کی منگنی کا موقع آیا تو وہ اپنے دل میں مچلتی خواہش کو لبوں پہ آنے سے روک نہ سکی تھیں۔ انہوں نے رابعہ بیگم سے کہہ ڈالا تھا کہ وہ صولت مرزا سے کہیں کہ سجل کو لے آئیں۔ شاید اب اتنے برس بیت جانے کے بعد نوید احمد کی اکڑ اور غرور کا خاتمہ ہو چکا ہو اور وہ سجل کو یہاں آنے دیں مگر رابعہ نے بیگم نے اسے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ مگر آج انکی بیٹی ایک طویل انتظار کے بعد مغل ہاؤس آ پہنچی تھی۔ نوید احمد نے جس عورت کو بد کردار سمجھ کر اس کے سایے کو بھی اپنی بیٹی سے دور رکھا تھا۔ وہی عورت اب اس بیٹی کا سائبان تھی۔ اس رات سطوت کی آنکھوں کے آگے ماضی جیسے کسی فلم کی طرح چلتا رہا تھا۔

آنے والے چند دنوں میں گھر کا ماحول تناو کا شکار رہا تھا۔ رابعہ اور صولت نے بہتیری کوشش کی کہ سجل کو واپس بھجوا دیا جا سکے لیکن ناظمہ خاتون کو انکے فیصلے سے ہٹانا ناممکنات میں سے تھا۔ لہٰذا حالات معمول پہ آتے گئے۔ اتنے دنوں میں سجل کو کسی نے بھی کمرے سے نکلتے نہ دیکھا تھا۔ لیکن ایک ہفتے بعد رابعہ بیگم کی برداشت جواب دے گئی تو انھوں نے سطوت کو صاف صاف کہہ دیا کہ سجل اس گھر میں مفت کی روٹیاں توڑنے نہیں آئی۔ لہٰذا اب سے وہ گھر کے کاموں میں حصہ لیتی نظر آئے۔۔ سطوت کیلیئے اتنا ہی بہت تھا کہ انکی بیٹی یہاں انکے ساتھ تھی۔ انھوں نے سجل کو بھی اپنے ساتھ کچن کے کام پہ لگا لیا تھا۔

مغل ہاؤس میں ملازمین کی ایک فوج تھی۔ مگر رابعہ بیگم کا حکم تھا کہ تینوں وقت کا کھانا سطوت ہی پکائے گی۔ سجل کے آجانے سے سطوت کو جیسے ایک سہارا مل گیا تھا۔ وہ ایک خاموش رہنے والی اور ہر بات کی چپ چاپ تعمیل کرنے والی ڈرپوک سی لڑکی تھی۔ سطوت اسے جو جو کام کہتی جاتی وہ چپ چاپ کرتی جاتی۔ وہ گھر کے کام کاج کرنے کی عادی معلوم ہوتی تھی اور اسکے انداز میں سلیقہ پایا جاتا تھا۔ مگر اتنے بڑے گھر میں آکر وہ قدرے گھبرائی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس گھر کے مکینوں کا سامنا کرنے سے وہ بہت کتراتی تھی۔ آج سطوت نے اسے شام کی چائے ہال کمرے میں پہنچانے کا کہا تو وہ لرزتے ہاتھوں سے ٹرالی گھسیٹتی کچن سے باہر آئی۔ ہال کمرے سے باتوں اور قہقہوں کی

آوازیں آرہی تھی۔ وہ دروازے پہ ہی رک گئ. اسے مغل ہاوس میں دس دن ہونے کو آئے تھے مگران دس دنوں میں اسکارابعہ بیگم کے علاوہ کسی سے بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ ساراوقت کچن یا سطوت کے کمرے میں ہی گزارتی تھی۔

اس نے اپنے سر پہ چادر برابر کی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ یہاں پہ ساحرہ سمیت گھر کے سب افراد خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھی۔ "چائے لانے میں اتنی دیر کردی تم نے۔" رابعہ بیگم نے کڑکدار آواز میں اسے مخاطب کیا تھا۔

"میں لا ہی رہی تھی بڑی ممانی۔" وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ اسکے

ہاتھوں میں واضح لرزش نظر آ رہی تھی۔ قدرے الگ تھلگ بیٹھے شہیر نے اپنے موبائل سے نظریں ہٹا کر بلاارادہ ہی اسکی طرف دیکھا تھا۔

"اے بی بی مجھے ممانی کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چلو چائے بناو۔" رابعہ بیگم نے ناگواری سے کہا تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔ شہیر کی نظریں اسی پر تھیں۔ وہ حد درجہ کنفیوز نظر آ رہی تھی۔ جیسے تیسے اس نے سب کو چائے سرو کی اور جانے کیلیے پلٹ گئ۔

"یہ نئ ملازمہ کب رکھی ہے تائی جان؟" کمرے سے نکلتے ہوئے ساحرہ کی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اسکے قدم کمرے کے باہر ہی رک گے۔

"یہ سطوت پھپھو کی بیٹی ہے آپی۔آپ نے سنا نہیں تھا وہ تائی جان کو ممانی کہہ رہی تھی۔" سعد قدرے ناگواری سے بولا تھا۔

اوہ آئی سی۔میں نے دھیان نہیں دیا۔" وہ لاپرواہی سے کہہ کر اپنی گود میں دھرے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ سجل مرے مرے قدم اٹھاتی سطوت کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"بڑی بہن سے بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے سعد۔" ہال کمرے میں شوکت مرزا سعد کی خبر لے رہے تھے۔

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے پاپا" وہ چڑ کر بولا۔

"اسے کیا معلوم یہ کون لڑکی ہے۔ہر وقت گھر پہ تھوڑا ہی ہوتی ہے وہ۔" وہ جواباً بولے تھے۔

"یہ تو سب کو ہی معلوم ہے پاپا کہ وہ سطوت پھپھو کی بیٹی ہے۔" مجھے نہیں پتہ تھا۔ اب پتہ چل گیا ہے ناؤ پلیز اسٹاپ فائٹنگ۔" ساحرہ سر اٹھا کر ناگواری سے بولی تھی۔ سعد اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ اسکا چائے کا کپ جوں کا توں رکھا رہ گیا۔ شہیر نے سر جھٹک کر اپنے موبائل کی اسکرین پہ نظریں جما دیں۔ اور اسی بے دھیانی میں چائے کا سپ لیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے قدرے حیران ہو کر کپ کی طرف دیکھا تھا۔ اس گھر میں ملازمین سمیت سب جانتے تھے کہ وہ شوگر لیس چائے پیتا تھا۔ مگر یہ لڑکی اسکی چائے میں کم سے کم بھی دو چمچ چینی ملا گئی تھی۔ شہیر مرزا کے ہونٹوں پہ خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ کڑوی تلخ چائے پینے والا بندہ آج یہ بے حد میٹھی چائے بے حد سکون سے پی رہا

تھا۔

سحر خیزی اسکی بچپن کی عادت تھی. فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ رننگ کرتا تھا. مغل ہاؤس کے آس پاس فارم ہاؤسز ہی تھے. دور دور تلک پھیلا سبزہ نگاہوں کو تراوٹ بخشتا تھا. اور چہار جانب نظر آتی مارگلہ کی پہاڑیاں بہت ہی سحر انگیز تاثر قائم کر دیتی تھیں. وہ اس خوبصورت منظر سے لطف اندوز ہوتا کافی دیر تک رننگ کرنے کے بعد گھر لوٹا تھا. قدیم طرز کا پھاٹک کھلا ہوا تھا. وہ اندر آیا اور پتھریلی روش سے گزرتا پائیں باغ میں نکل آیا. مشرقی افق سے سورج طلوع ہو رہا تھا اور اسکی روپہلی کرنیں اونچے اونچے درختوں کی چوٹیوں پہ پڑ رہی

تھیں. صبح صادق کی خوشگوار ہوا میں کئ پھولوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی. وہ گہری سانس بھرتا گلاب کی کیاریوں کے پاس آ کھڑا ہوا. اوائل ستمبر کے دن تھے اسلیئے پھول اب کچھ مرجھائے مرجھائے نظر آتے تھے. وہ مسکراتا ہوا پلٹا اور ٹھٹک کر رک گیا. اسکی نظریں دائیں جانب بنی مصنوعی جھیل پہ بنے پل کیطرف رینگ رہی تھیں. پل کی چھوٹی سی منڈیر پہ کوئی بیٹھا ہوا تھا. شھیر کی جانب اسکی پشت تھی. اور وہ سیاہ چادر میں لپٹے اس وجود کو دیکھ کر مخمصے کا شکار ہو رہا تھا. مغل ہاؤس کی لڑکیاں تو کبھی دوپٹہ سر پہ نہیں لیتی تھیں کجا کہ اتنی بڑی چادر.. وہ کچھ متجسس سا آگے بڑھا.

"کون ہے.." اس نے قدرے بلند آواز میں پوچھا اور وہ بے اختیار اٹھ

کھڑی ہوئی اور پلٹی. وہ سجل تھی. شہیر کو سامنے پا کر اس نے جلدی سے اپنی بڑی سی سیاہ چادر کو مزید اچھی طرح سر پہ سیٹ کیا اور تیزی سے پل سے اتر کر تقریباً بھاگتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئ. شہیر نے اسکے عجیب و غریب رویے پہ حیران ہوتے ہوئے برآمدے کی طرف قدم بڑھا دیئے.

"کہاں تھی سجل." وہ کمرے میں داخل ہوئی تو جائے نماز پہ بیٹھی سطوت نے اس سے پوچھا. "باہر جھیل تک گئ تھی." وکہ مدھم آواز میں جواب دیتے ہوئے بستر کے کنارے ٹک گئ. اسکو بے حد گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی. رابعہ بیگم کے بڑے بیٹے نے اسکو جھیل پہ دیکھ لیا

تھا. نجانے اب وہ رابعہ سے اسکی شکایت کریگا یا پھر خود ہی اسکی خبر لے گا. وہ اس ہینڈسم سے بندے کا نام نہیں جانتی تھی بس اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ صولت مرزا اور رابعہ بیگم کا سب سے بڑا بیٹا اور مغل ہاؤس کا سب سے ہونہار سپوت ہے.

"امی.. ایک بات پوچھوں. " اس نے چند لمحوں بعد تسبیح کے دانے گراتی سطوت کو مخاطب کیا. سطوت نے سر ہلا کر اسے اجازت دی.

"امی صولت ماموں کے بیٹے کا کیا نام ہے. " اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا.

" شہیر.. لیکن تو کیوں پوچھ رہی ہے. " سطوت کے لہجے میں لاپرواہی تھی مگر وہ گھبرا گئی.

"وہ ابھی میں باہر تھی ناں تو انہوں نے مجھے جھیل کے پاس دیکھ لیا تھا. امی اب وہ کیا بڑی ممانی سے شکایت کر دینگے میری. " وہ اپنی بڑی.بڑی آنکھیں پھیلائے از حد معصومیت سے پوچھ رہی تھی. سطوت ہلکا سا مسکرائیں.

"پگلی یہ کونسی شکایت لگانے والی بات ہے. ہر چھوٹی چھوٹی بات پہ پریشان نہیں ہوتے بیٹا. چلو جا کر چائے کا پانی رکھو میں بھی یہ تسبیح ختم کر کے آتی ہوں. " انہوں نے اطمینان دلانے والے انداز میں کہا تو وہ سر ہلا کر اٹھ اور کمرے سے ملحقہ کچن میں آگئ. گھر کے سب افراد اکٹھے ناشتہ نہ کرتے تھے اسلیئے ناشتہ تیار کرنا سب سے زیادہ تھکا دینے والا کام ہوتا تھا. صبح کے چھ بجے سے جو وہ دونوں ماں بیٹی کچن میں گھستی تو نو

بجے جا کر ہی فراغت ملتی تھی۔ اور اس دوران وہ امی کو تو ناشتہ کروا دیتی تھی مگر خود حلق سے ایک کپ چائے اتارنے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ آج وہ معمول سے ذرا پہلے کچن میں آ گئی تھی سو اس نے پہلے خود کچھ کھا لینے کا سوچا اور چولہے پہ چائے کا پانی چڑھا کر کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر طائرانہ نظروں سے اس جدید طرز پہ بنے عالیشان کچن کا جائزہ لینے لگی۔

اپنی اٹھارہ سالہ زندگی میں اس نے بارہا اپنی دادی، پھپھیوں اور چچاؤں سے اس عالیشان محل کے تذکرے سنے تھے لیکن نوید احمد کے لبوں پر تو کبھی بھولے سے بھی مغل ہاؤس اور سطوت کا نام نہ آتا تھا۔ اسکے ساتھ اسکی چچی اور دادی کا سلوک ہرگز بھی مثالی نہ تھا۔ چھوٹی سی عمر میں ہی

اسے گھر کے کاموں پہ لگا دیا گیا تھا. نوید احمد صبح کے گئے شام کو گھر لوٹتے تھے . اسے اپنا خاموش طبع اور انٹلکچوئیل سا باپ بہت اچھا لگتا تھا. مگر انکا سرد مہری لیئے رویہ ہمیشہ اسکے ننھے سے دل کو سہما دیا کرتا تھا. وہ تو کسی کام کے علاوہ کبھی اسے مخاطب تک نہ کرتے تھے .

ایف اے تک وہ قریبی ماڈل کالج میں جاتی رہی. وہ کالج انٹرمیڈیٹ لیول تک تھا لہٰذا ایف اے پاس کرنے کے بعد اسکی دادی نے اسے گھر بٹھا لیا. انکا خیال تھا کہ لڑکیوں کو زیادہ تعلیم دلوانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا. ابو تو اس سے ویسے ہی بالکل لاتعلق رہتے تھے سو انہوں نے اپنی ماں کے اس فیصلے پہ کسی قسم کا بھی تاثر ظاہر نہیں کیا تھا. سجل گو کہ پڑھائی میں کبھی بھی بہت اچھی نہ رہی تھی مگر وہ کالج جاتے رہنا چاہتی

تھی کیونکہ کالج جا کر دن بھر میں کچھ وقت کو ہی سہی اسے اس گھر سے نجات ضرور مل جاتی تھی. مگر دادی نے اسکی یہ چھوٹی سی خوشی بھی چھین لی تھی. وہ اکثر سوچتی کہ اسکا یہ باپ جس نے کبھی ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اسکا حال تک نہیں پوچھا, اسے اسکی ماں کو ہی دے دیتا شاید اسکی ماں اس سے محبت کرتی.

تنہائی اور دادی کی سختیوں نے اسکی شخصیت کو بالکل مسخ کرکے اسے ایک بے حد ڈرپوک لڑکی بنا دیا تھا. پھر ایک روز نوید احمد چپ چاپ اس دنیا سے منہ موڑ گئے تو محض دو دن بعد ہی اسکے چچا اسے یہاں چھوڑ گئے تھے. اور اس گھر میں جس سرد مہری سے اسکا استقبال ہوا تھا اس نے اسے اچھی طرح یہ بات باور کروادی تھی کہ وہ مغل ہاؤس کے مکینوں

کیلیئے بھی قابل قبول نہ تھی. اسے اپنی قسمت پہ رونا آتا تھا. وہ نہ ددھیال کیلیئے اہم تھی اور نہ ہی ننھیال کو اس سے کوئی دلچسپی تھی.

کچن کے دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ اپنے خیالات سے چونکی اور اندر آتے شہیر کو دیکھ کر بے اختیار ہی پلٹ کر کیتلی میں ابلتے ہوئے پانی کیطرف متوجہ ہو گئی تھی.

" جمیلہ کدھر ہے. " اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا تھا.

" اپنے کوارٹر میں. "

" آچ.. اچھا.. ایک کپ چائے ملے گا. "

" جی اچھا. " وہ مؤدبانہ انداز میں بولی تھی. وہ کچن میں رکھی میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک گھسیٹ کر بیٹھ گیا.

" تمہارا نام کیا ہے. " شہیر نے چند لمحوں بعد اسے مخاطب کیا.

" سجل. " اس نے مدھم سی آواز میں جواب دیا شہیر بغور اسکی جانب دیکھ رہا تھا. چائے بناتے ہوئے اسکے مرمریں سپید ہاتھوں کی لرزش بہت واضح تھی. اس نے ایکبار بھی نظر اٹھا کر شہیر کی جانب نہ دیکھا تھا.

" نائس نیم. کس کلاس میں پڑھتی ہو. " اسکا اندازہ تھا کہ وہ میٹرک یا انٹرمیڈیٹ کی اسٹوڈنٹ ہو گی.

" جی. میں نے ایف اے کیا ہے. " اس نے جھجھکتے ہوئے جواب دیا.

" گڈ کونسے سبجیکٹس لیئے تھے. " وہ اس کی کنفیوز ہونے پہ قدرے حیرت زدہ تھا. اسکا سابقہ آج تک بہت ہی بے جھجک لڑکیوں سے پڑا تھا. اور مغل ہاؤس میں موجود تینوں لڑکیوں میں بھی بلا کا کانفیڈنس

تھا. روحینہ کی ارسلان سے لو میرج تھی گو کہ وہ انکا ماموں زاد تھا مگر اسکا اور روحینہ کا ٹھیک ٹھاک افیئر چلا تھا جس کا سارے خاندان کو پتہ تھا. اقصیٰ بچپن سے سعد کیساتھ بے تکلفی کی حد تک مانوس تھی. اور ساحرہ.. اس کا کانفیڈنس لیول تو مردوں کو بھی اسکے سامنے ہکلانے پر مجبور کر دیتا تھا. وہ بچپن سے اسکے ساتھ منسوب تھی مگر شہیر نے اسے کبھی بھی اپنے سامنے کنفیوز ہوتے یا شرماتے نہیں دیکھا تھا. وہ تو منگنی والے روز اتنے بڑے مجمع کے سامنے اسکے ہاتھ سے انگوٹھی پہنتے ہوئے بھی ایک ادا سے کیمرے کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ادا سے مسکرا رہی تھی. شہیر کیلیئے سجل کسی عجوبہ سے کم نہ تھی.

"جی میں نے آرٹس پڑھی تھی." اس نے کچھ شرمندگی سے جواب دیا

اور لرزتے ہاتھوں سے چائے کا کپ اسکے سامنے میز پہ رکھا. اس کے مرمر سے تراشے سفید ہاتھوں کے گلابی ناخن نفاست سے تراشے ہوئے تھے. ایک پل کو وہ گلابی ہاتھ شہیر کی نگاہوں کے سامنے ٹھہرے تھے اور پھر وہ مگ رکھ کر پلٹ گئ. مگر شہیر کی نگاہیں ان گلابی ہاتھوں میں الجھ کر رہ گئ تھیں. کسی بناوٹ اور زیور سے پاک وہ ہاتھ کتنے حسین تھے. وہ جب تک سحر سے باہر آیا وہ کچن سے جا چکی تھی. شہیر نے سر جھٹک کر مگ اٹھایا اور چائے کا ایک گھونٹ بھرا. اور پھر اسکے لب دھیرے سے مسکرا اٹھے تھے. وہ آج پھر اسکی چائے میں دو چمچ چینی گھول کر چلی گئ تھی.

"یار یہ سطوت پھپھو کی بیٹی ہے۔ کتنی انڈر کانفیڈنٹ سی ہے نان۔" وہ دونوں یونیورسٹی کے کیفیٹیریا میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کررہے تھے، جب اچانک ہی اقصیٰ کو سجل یاد آگئی۔

"ہاں واقعی۔ میں نے تو ایک دو بار کے علاوہ اسے کبھی بولتے نہیں سنا۔" سعد نے بھی اسکی تائید کی تھی۔

"ویسے سعدی میں اکثر ایک بات سوچتی ہوں کہ پھپھو کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی۔ نہ انکے شوہر نے انکا ساتھ دیا اود نہ ہی بھائیوں نے۔ مانا کہ انہوں نے گھر والوں کی رضا کے خلاف جا کر شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر یار دادا جان نے خود انکی شادی کروائی تھی۔ وہ کوئی گھر سے بھاگی تو نہ تھیں اور شادی کے بعد

تو انہوں نے کیا۔ suffer بھی میرے خیال میں سب سے زیادہ میں نے بہت بار ماما سے سنا ہے کہ سطوت پھپھو کا سسرالی گھر کی آمدنی بھی اتنی زیادہ husband بہت چھوٹا سا تھا۔ اور انکے نہیں تھی اور پھپھو اس گھر میں صبح سے رات تک سب کی کو پھپھو کی situation خدمت کرتی تھیں۔ ماما تو اس ساری نافرمانبرداری کی سزا پہ محمول کرتی ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں سمجھتی۔ اور فرض کرو اگر انھوں نے ماں باپ کی نافرمانبرداری کی بھی تھی تو اس کا کسی کی لائف پہ کیا اثر آیا یار۔ تمھارے کی زندگی تو ایک فیصد بھی parents یا میرے parents نہیں ہوئی. سب سے زیادہ اثر تو پھپھو اور انکی بیٹی کی effect

زندگیوں پہ آیا ناں۔ "اقصیٰ نے سنجیدگی کے ساتھ ماضی کے حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔ سعد نے قائل ہوجانے والے انداز میں سر ہلایا۔

"I agree with you۔ میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔"

"یار پھپھو کو طلاق ہوئی تھی۔ انکا گھر تباہ ہوا تھا۔ ان کی بیٹی ان سے چھین لی گئ تھی۔ سوچو اس وقت وہ کتنی ٹوٹی اور بکھری ہوئی ہونگی۔اصولاً تو ماما پاپا اور چاچو چاچی کو انہیں سہارا دینا چاہیے تھا۔لیکن سب نے مل کر انھیں گھر کی ملازمہ بنا ڈالا۔ انکا فرض تو نہیں بنتا کہ وہ ہم سب کیلیئے کھانا بنائیں۔ ہمارے لئے میز سجائیں۔ گھر میں ملازموں کی ایک فوج ہے تو وہ کیوں کام

کریں لیکن ماما نے انکو نوکرانی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور اب انکی بیٹی بھی مفت کی مل گئی ہے"۔ اقصیٰ کے لہجے میں ناگواری کا عنصر نمایاں تھا۔ رابعہ بیگم کی مطلق العنانیت سے مغل ہاؤس کے اکثر مکینوں کو اختلاف تھا۔ مگر ناظمہ خاتون نے ازخود انکے ہاتھ میں گھر کا ہولڈ دے رکھا تھا۔ اسلیے ہر کوئی چپ سادھ لینے پہ مجبور تھا۔

آئی تھنک یہ دادو کی سوچنے کی باتیں ہیں۔ سطوت پھپھو انکی" بیٹی ہیں۔ اور دادو کے پاس ہی یہ اتھارٹی ہے کہ وہ پھپھو اور انکی بیٹی کو مغل ہاوس میں انکا حقیقی مقام دلوا سکیں ". سعد جواباً بولا تھا.

صاف ظاہر ہے کہ دادو بھی پھپھو کو ہی قصوروار سمجھتی ہیں"
اور اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی وہ انکو معاف کرنے کو تیار
نہیں ہیں ".اقصیٰ ہاتھ ہلا کر بولی" . لیکن سجل کا کوئی قصور نہیں
ہے یار وہ ہماری فرسٹ کزن ہے ہمیں اسکی طرف دوستی کا ہاتھ
بڑھانا چاہیئے . نجانے اس نے آج تک کیسے حالات میں زندگی
گزاری ہوگی . نجانے کتنی محرومیوں میں پلی بڑھی ہوگی .آئی
". تھنک مجھے اور تمہیں اس سے فرینڈ شپ کرنی چاہیئے
ہوں .. کہتی تو تم ٹھیک ہو . لیکن کہیں تائی جان مائنڈ نہ"
". کرجائیں

ارے یہ جو الفاظ کے ذخیرے ہیں تمہارے ذہن میں یہ کس"

دن کام آئینگے اگر گھر کے بزرگوں کو بھی قائل نہ کرسکو تو کیا فائدہ تمہارا ".وہ بچپن سے سعد کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کی عادی تھی.

"آہم ...تو اگر میں نے گھر والوں کو اس بات پہ قائل کرلیا کہ سجل کی حیثیت بھی اس گھر کی باقی بیٹیوں سے کم نہیں ہے تو تم کیا کروگی میرے لیئے."

"جو تم کہو."

"سوچ لو."

"سوچ لیا."

"بس ٹھیک ہے پھر میں یہ معرکہ ضرور سر انجام دوں گا .اور

".اسکے بعد تمہیں جلد از جلد مجھ سے شادی کرنا ہوگی

.یہ کیسی فضول شرط ہے ".اقصیٰ ناک چڑھا کر بولی"

.تم زبان سے چکی ہو ".سعد نے شانے اچکائے"

تم پہلے یہ چیلنج پورا تو کرکے دکھاؤ .تم کوئی شیری بھیا نہیں ہو"
جن کی بات کو پاپا اور چاچو بھی ویلیو دیتے ہیں ".اقصیٰ اپنا
بیگ شانے پہ ڈالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی .سعد کا منہ سو فیصدی
.لٹک گیا تھا

.کردیا ".اسنے ہاتھ کھڑے کردیئے surrender اوکے میں نے"

لیکن میں تو سجل سے کرکے رہوں گی .اور اس سلسلے میں مجھے"
تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے ".وہ اسے چڑانے والے

.انداز میں بول کر جانے کیلیئے پلٹ گئ تھی

.چڑیل "... سعد زیرِ لب بڑبڑا کر بے اختیار مسکرادیا"

دوپہر کے کھانے کے بعد سب آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو اقصیٰ اپنے کمرے سے نکل کر نچلی منزل پہ آئی اور کچن کے قریبی قدرے چھوٹے کمرے کی طرف بڑھی .یہ کمرہ سطوت پھپھو کے زیرِ استعمال تھا .وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی .سامنے بستر پہ سطوت پھپھو سورہی تھیں .اور ایک جانب کاؤچ پہ سجل نیم دراز کسی سوچ میں گم تھی .آہٹ پہ اس نے گردن گھمائی اور اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی .اقصیٰ چہرے

پر دوستانہ سی مسکراہٹ سجائے اسکے پاس کاؤچ پہ آ بیٹھی .اس وقت سجل اس بڑی سی سیاہ چادر میں نہیں لپٹی ہوئی تھی .اسکے شانوں پہ سوٹ کا ہمرنگ گلابی دوپٹہ لاپرواہی سے پڑا ہوا تھا اور .گہرے بھورے بالوں کی لمبی چوٹی سینے پہ پڑی جھول رہی تھی

اقصیٰ نے آج پہلی بار اسے اس سیاہ چادر کے بغیر دیکھا تھا اور وہ مبہوت رہ گئی تھی .اتنا بے داغ اور معصوم حسن ..وہ دل ہی .دل مین تعریف کیئے بناء نہ رہ سکی تھی

میرا نام اقصیٰ ہے . تمہارے بڑے ماموں کی سب سے چھوٹی" بیٹی ہوں .اینڈ آئی تھنک میں اور تم ہم عمر ہی ہیں ".وہ اپنے مخصوص بااعتماد مگر نرم لہجے میں بول رہی تھی . سجل نے جواباً

صرف سر ہلانے پہ اکتفاء کیا تھا .اس پہ گھبراہٹ طاری ہونے لگی تھی .

تم مجھ سے دوستی کروگی سجل ؟ "اقصیٰ نے اپنا ہاتھ اسکی جانب" بڑھایا . سجل نے بغور اسکی طرف دیکھا .اقصیٰ کے چہرے پہ ایک نرم مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں خلوص تھا .اس نے اس سے ہاتھ ملایا اور ہلکا سا مسکرائی . پھر اقصیٰ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی .اپنے بچپن کے قصے سعد کی شرارتیں.. روحینہ اور ارسلان کی شادی .. شہیر اور ساحرہ کی منگنی کا احوال ..اور بہت کچھ ..وہ دلچسپی سے سنتی رہی .آہستہ آہستہ اسکی جھجھک کم ہونے لگی مگر اسکے پاس اقصیٰ کو سنانے کے لیئے اپنے بچپن کا کوئی بھی

ایسا خوشگوار قصہ نہ تھا .لہٰذا وہ بس مسکراتے لبوں سے اسے سنے گئ .ایک گھنٹے بعد اقصیٰ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئ تھی جبکی سجل کافی دیر تک اس پیاری سی لڑکی کے پُر خلوص رویے کے متعلق سوچتی رہی تھی .مغل ہاؤس میں اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے والی وہ پہلی ہستی تھی.

اگلے چند روز سجل کی زندگی میں بہار کے خوشگوار جھونکوں کی مانند ثابت ہوئے تھے.اقصیٰ کیساتھ اسکی دوستی کافی گہری ہوتی جارہی تھی .اور اس بے تکلفی میں سب سے زیادہ ہاتھ اقصیٰ کا تھا .اسکے محبت بھرے رویے نے سجل کی جھجھک کو بہت حد تک

کم کر دیا تھا اور وہ بھی اس سے اپنے متعلق باتیں کرنے لگی تھی .اسکی گزری ہوئی زندگی کے متعلق جان کر اقصیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے .اس نے سعد کو بھی سجل کی گزشتی زندگی کی محرومیوں کے متعلق بتا ڈالا تھا .وہ بھی سن کر کافی متاثر ہوا تھا .پھر ایک روز شام کے وقت جب ہال کمرے میں گھر کے ابھی افراد جمع تھے .اقصیٰ نے خصوصیت سے کسی کو بھی مخاطب کیئے بناء باآوازِ بلند پوچھا.

"؛سطوت پھپھو اس گھر کی بیٹی ہیں ناں"

.یہ کیسا سوال ہے؛ "رابعہ بیگم نے ناگواری سے پوچھا"

ماما یہ ایک سمپل سا سوال ہے .سطوت پھپھو اس گھر کی بیٹی"

ہیں ناں ... تو کیا اس گھر میں بیٹیوں کیساتھ ایسا سلوک روا رکھنے کی روایت ہے جیسا سلوک پھپھو اور انکی بیٹی کیساتھ کیا جاتا ہے ". وہ منہ پھٹ تو تھی ہی اور صحیح بات کہنے سے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا.

تم کیا بکواس کر رہی ہو "..رابعہ بیگم تلملا گئیں. جبکہ صولت" مرزا چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے کچھ گم صم سے نظر آنے لگے تھے. شوکت مرزا کی پیشانی پہ بھی گہری سوچ کی لکیریں واضح ہو گئیں. ناظمہ خاتون بھی چپ سی تھیں.

یہ بکواس نہیں ہے ماما. میں اس سارے غیر منصفانہ سسٹم" سے تنگ آگئی ہوں. پھپھو اور سجل اس گھر کے فرد ہیں تو انہیں

وہ عزت کیوں نہیں دی جاتی جو مجھ سمیت گھر کے باقی افراد کو میسر ہے ".اقصیٰ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسکا انداز تقریر کرنے کا سا تھا .ہال کمرے کیں موجود تمام نفوس اسکو دیکھ رہے تھے سن رہے تھے..

"عزت اور مقام ان بیٹیوں کو ملتا ہے جو ماں باپ کی عزت کا پاس رکھتی ہیں ".رابعہ بیگم دوبدو بولیں.

" اوہ اچھا مطلب کہ جو لڑکی پسند سے شادی کرے وہ لائقِ تذلیل ہے .تو پھر ماما روحی آپا کے متعلق کیا خیال ہے آپکا کیونکہ شادی تو انھوں نے بھی اپنی پسند سے ہی کہ تھی اور شادی سے پہلے انکا ارسلان بھائی سے فون پہ مکمل رابطہ بھی رہتا

تھا اور یہ بات پورا خاندان جانتا ہے .فرق صرف اتنا ہے کہ ارسلان بھائی آپکے سگے بھتیجے ہیں اسلیئے روحی آپا کو سب معاف ہے "..وہ تلخ لہجے میں بولتی گئ تھی .رابعہ بیگم کے چہرے کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا.

" کیسے dual standards ہیں آپکے ماما .جو بات آپکی بیٹی کیلیئے جائز ہے وہ پھپھو کے لیئے ناجائز کیسے ہو سکتی ہے .مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر آپ سب کی کونسی دشمنی ہے پھپھو اور ان کی بیٹی سے کہ اسطرح کا سلوک روا رکھا ہوا ہے انکے ساتھ .اور دادو آپ "..وہ ناظمہ خاتون کیطرف پلٹی" .آپکو اپنی معصوم نواسی پہ بھی ترس نہیں آتا .وہ بیچاری پیچھے سے بھی ظلم سہتی ہوئی آئی

اور ہم لوگوں نے بھی اسے نوکرانی بنالیا .جب مجھ سمیت اس گھر کے ہر بچے کو ایک بیسٹ لائف دی گئی ہے تو کیا سجل اس گھر کی بیٹی نہیں کیا اسکا آپ پہ کوئی حق نہیں دادو ".وہ ناظمہ خاتون سے براہِ راست مخاطب تھی .تمام نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا .اسی لمحے سطوت اور سجل شام کی چائے کے لوازمات سمیٹنے کمرے میں داخل ہوئی تھیں.

"دادو کیا آپ اتنی سنگدل ہیں کہ یہ سب دیکھ کر بھی آپکے دل میں ممتا کے جذبات نہیں جاگتے ..ذرا غور سے دیکھیں یہ آپکی اکلوتی لاڈلی بیٹی کا حال ہے کہ وہ اس محل میں اپنی بیٹی کت ہمراہ اپنے ہی بہن بھائیوں اور انکی اولادوں کی ملازمہ بنی ہوئی ہیں ".

اقصیٰ نے سطوت کیجانب اشارہ کرکے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔ ناظمہ خاتون کے چہرے پر کرب کی بڑی واضح لکیر ابھری تھی۔

"بس اب بہت ہوگیا۔ اپنی بکواس بند کردو اقصیٰ"۔ رابعہ بیگم نے غصے کے عالم میں کہا۔

"اقصیٰ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تائی جان سچ کو فیس کرنا سیکھیں"۔ سعد بھلا اسکا ساتھ کب چھوڑتا تھا۔ رابعہ بیگم نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ سطوت اور سجل کٹھرے میں کھڑے مجرموں کی مانند کھڑی تھیں۔

"اوہو۔۔ تو تم پر بھی جادو چڑھ گیا اس چڑیل کا۔ آخر ہے ناں بے

غیرت باپ کی اولاد ". رابعہ بیگم نے سجل کیطرف اشارہ کرکے نفرت انگیز لہجے میں کہا . انداز گالی دینے کا سا تھا . شپیر ناگواری سے اٹھ کھڑا ہوا .

"ماما پلیز ایسی لینگوتج آپکو زیب نہیں دیتی ". وہ ہاتھ اٹھا کر ناگواری سے بولا اور ناظمہ خاتون کیطرف مڑا" . دادو اس گھر میں سپریم اتھارٹی تو آپکے پاس ہے ناں . لہذا آپ ہی اس مسئلے کا کوئی حل نکال کر معاملے کو ختم کریں ". وہ ہاتھ اٹھا کر مضبوط لہجے میں بولا تھا . ثمینہ بیگم کے چہرے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اسے اپنے بیٹے کو کہے گئے رابعہ بیگم کے الفاظ پہ سخت اعتراض ہے .

سطوت اس گھر کی بیٹی ہے .اور واقعی یہ غیر منصفانہ رویہ ہے"
کہ وہ ملازموں کیطرح زندگی بسر کرے ". ناظمہ خاتون کے بولنے
سے پہلے ہی صولت مرزا اپنے باوقار انداز میں بول پڑے تھے.
رابعہ بیگم نے غم و غصے کے عالم میں شوہر کیطرف دیکھا.
آئندہ سے سطوت اور سجل اس گھر میں مکمل عزت کیساتھ"
زندگی بسر کرینگی . میرے خیال میں برسوں پرانی رنجشوں کو اب
ختم ہو جانا چاہیئے .اور آج کے بعد اس موضوع پہ مزید بحث
نہیں ہوگی ". صولت مرزا فیصلہ سنا چکے تھے .اپنی بات ختم کرکے
انہوں نے سطوت کے سر پہ ہاتھ رکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے
کمرے سے چلے گئے.

سطوت میری بچی ". ناظمہ خاتون نے بانہیں واکردی اور "
سطوت انکے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دیں . سعد اور اقصیٰ
ان کو چپ کروانے لگے . رابعہ بیگم منہ پھلائے بیٹھ گئیں جبکہ
ثمینہ بیگم ہولے ہوالے شوکت مرزا کو کچھ کہہ رہی تھیں . اور
ساحرہ .. وہ اس ساری صورتحال سے بے نیاز اپنی لیپ ٹاپ میں
گم تھی . شہیر نے ایک جانب چپ چاپ کھڑی سجل کیطرف
دیکھا . وہ شکستہ قدموں سے چلتی کمرے سے باہر چلی گئ . وہ بلا
.. ارادہ ہی اسکے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا

وہ سست روی سے راہداری میں چلتی اپنے کمرے کیطرف جارہی

تھی۔

سنو! "اس نے بے اختیار ہی اسے پکارا تھا۔ وہ رُک گئ مگر پلٹی نہیں۔ وہ اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سجل کا سر جھکا ہوا تھا، اور وہ اپنی گلابی ہتھیلیوں میں اپنے آنسو سمیٹ رہی تھی۔

تمہیں ماما کی باتوں سے تکلیف پہنچی ہے ناں۔ انکی طرف سے میں سوری کہتا ہوں۔ "وہ نرم لہجے میں بولا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکی لمبی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ننھی سی ناک ضبط سے سُرخ ہورہی تھی۔

چھوٹی سی تھی تب سے طعنہ سن رہی ہوں بدکردار ماں کی "بیٹی۔۔ یہاں آئی تو باپ کی بے غیرتی کا طعنہ بھی سننے کو ملا۔

وہ سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔ "میری ماں بدکرار تھی میرا باپ بے غیرت تھا مان لیا۔۔۔"اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ نیلی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے۔ "مگر میں نے کیا کِیا ہے؟ "نجانے وہ اس سے پوچھ رہی تھی یا خود سے۔ شہیر سمجھ نہ پایا۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے اسکی سائیڈ سے ہو کر اپنے کمرے کیطرف چلی گئی تھی۔ اور اس رات شہیر کے ذہن کے پردے پہ سراپا سوال بنی وہ بڑی بڑی سرمئی آنکھیں گردش کرتی رہی تھیں۔ کتنا درد تھا ان نگاہوں میں۔۔ کیسا کرب تھا۔۔ وہ چاہ کر بھی ان آنکھوں کو اپنے ذہن سے جھٹک نہ پایا تھا۔

اگلے چند دنوں میں مغل ہاؤس میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ اوپری منزل پہ ماسٹر بیڈروم میں سطوت کا سامان پہنچا دیا گیا تھا۔ جبکہ سجل کو اقصیٰ نے اصرار کرکے اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ رابعہ بیگم کو اب نئے ٹرینڈ کُک کی تلاش تھی کیونکہ خود باورچی خانے میں گھس کر کھانا پکانے کی عادت تو انکی کئی برسوں سے ختم ہوچکی تھی۔ سطوت کیساتھ ان کے تعلقات بہت اچھے نہ سہی لیکن کچھ معمول پہ ضرور آگئے تھے۔ اور گھر کا ماحول پہلے جیسا ہوتا جارہا تھا۔ سعد اقصیٰ کی عقلمندی کی داد دیتا کہ اسکے ٹھوس دلائل کے باعث ہی یہ سب ممکن ہوا تھا کہ پھپھو

کو اس گھر میں ان کا کھویا ہوا مقام واپس مل گیا تھا۔اور اقصیٰ ان تعریفوں پہ پھولے نہ سماتی۔

ایک طرف یہ سب تھا تو دوسری جانب شہیر عجیب سی الجھن کا شکار تھا۔ اس روز کے بعد سے سجل سے اسکا سامنا نہ ہوا تھا ،اقصیٰ کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ بخار میں مبتلا ہو گئی ہے۔ وہ ہر صبح فجر کی نماز کے بعد واک سے لوٹتے ہوئے منتظر انداز میں پائیں باغ کیطرف نگاہیں دوڑاتا تھا کہ شاید جھیل کے کنارے نظر آجائیگا مگر اسے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ اسے صبح واک سے واپسی کے بعد جھیل کے کنارے گھاس پہ بیٹھی نظر آ گئی تھی۔ ہلکے سبز رنگ کے لباس میں ملبوس وہ

اس سرسبز سے ماحول سے ہم آہنگ ہورہی تھی۔ لمبے بال جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے اور سفید رنگ کا دوپٹہ شانے پہ لاپرواہی سے ڈھلکا ہوا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں پہ سر ٹکائے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا سکے قریب آرکا۔ اسنے چونک کے سر اٹھایا تھا اور پھر اسے سامنے دیکھ کر گھبراہٹ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹے کو فوراً سر پہ پھیلا لیا۔ شہیر نے بغور اسکی طرف سیکھا۔ اسکی سفید رنگت میں آج سرخی کے بجائے ہلکی سی زردی دوڑ گئی تھی۔ وہ کمزور نظر آرہی تھی۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟ "اس نے نرم لہجے میں دریافت" کیا تھا۔

اللہ کا شکر ہے۔ ٹھیک ہوں۔" اس نے سر جھکا کر مدھم آواز میں جواب دیا تھا۔ اس کی آواز میں بے حد سکون اور شیرینی تھی۔

گڈ ..اس دن تم نے ایک سوال کیا اور جواب سنے بناء ہی چلی گئیں۔ اور اس کے بعد اتنے دن غائب رہیں۔" اس نے سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے کہا تھا۔

کون سا سوال؟ "سجل نے اپنی لمبی پلکیں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔ اسکی آنکھوں کا رنگ نجانے نیلا تھا یا سرمئی .. شہیر فیصلہ نہ کر پایا۔

وہی سوال ..جو اس روز پوچھا تھا تم نے۔" اس نے اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ پلکیں جھکا کر اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔

وہ سوال نہیں تھا .. بس یونہی کہہ دیا تھا میں نے۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

لیکن تمہارا وہ سوال بالکل جائز تھا۔" وہ اس کے جملے کیطرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "واقعی اس سب میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔"

والدین وراثت میں اپنے گناہ ثواب بھی اولاد کو دیتے ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔ شہیر نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس نروس رہنے والی لڑکی سے اتنی گہری بات کی امید نہیں کر رہا

تھا۔ سجل کے چہرے پہ اداسی کے گہرے بادل چھاگئے تھے۔ شہیر کو اچانک ارد گرد پھیلی قدرتی خوبصورتی کے رنگ پھیکے لگنے لگے۔

ایک کپ چائے بنادوگی۔ "اس نے اسکا دھیان بٹانے کو پوچھا" تھا۔

جی۔ "اس نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر مؤدبانہ انداز" میں کہا اور رہائشی عمارت کیجانب قدم بڑھادیئے۔ وہ اسکے جانے کے چند لمحوں بعد کچن میں آیا تو وہ چائے تیار کرکے اسمیں چینی ڈال رہی تھی۔ وہ اسے نہ کہہ سکا تھا کہ وہ شوگر لیس چائے پیتا ہے۔ وہ چینی گھول کر مگ اسکے سامنے رکھ کر کچن سے چلی گئ۔ شہیر ایک گہری سانس بھر کر وہ میٹھی چائے گھونٹ گھونٹ اپنے

حلق اُتارنے لگا۔

صبح صبح شہیر کو نِک سک ست درست ناشتے کی میز پہ دیکھ کر سب ہی حیران ہوئے تھے۔

خیریت بھیا کدھر کی تیاری ہے۔ "سعد نے اس سے پوچھا۔"

آفس کی تیاری ہے۔ "شہیر نے اپنے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے جواب دیا تھا اور اس کے اس جواب پہ گھر کے تمام ہی نفوس کے چہروں پہ حیرت اور مسرت کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔

کون سے آفس . . یہ اپنے آفس؟ "سعد نے پوری آنکھیں کھول"

شہیر نے جواباً کہا تھا۔"Obviously" کر حیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ویری گڈ بیٹا !آخر ہمارے بعد یہ بزنس تمہی کو تو سنبھالنا"

ہے۔ "صولت مرزا نے بیٹے کو سراہا۔

اللہ آپ دونوں کا سایہ ہمارے سروں پہ سلامت رکھے پاپا۔ "وہ"

دھیمے سے مسکرا کر بولا تھا۔

"اور وہ در در کی خاک چھاننے کا شوق کہاں جائیگا شیری بھیا۔"

سعد کنفیوز تھا۔

"در در کی خاک بہت چھان لی ہے۔ بس اب یہیں رہنا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے کہتا ناشتے کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

اسی روز یونیورسٹی میں سعد نے کیفیٹیریا میں اقصیٰ کو جالیا تھا۔

وہ اپنی فرینڈز کیساتھ تھی مگر اسے دیکھ کر ان سے معذرت کرتی اسکے پاس چلی آئی۔ وہ دونوں اپنی مخصوص قدرے دور افتادہ میز پہ آبیٹھے تھے۔

”یار کیسی عجیب بات ہے کہ کل تک جو شیری بھیا فیملی بزنس کا نام بھی سننے کے روادار نہیں تھے۔ آج اسی بزنس کو سیریس لے رہے ہیں۔“سعد نے اپنی الجھن اقصیٰ کے سامنے بیان کردی۔

”ہاں تو . . یہ کتنی اچھی بات ہے کہ وہ فیملی بزنس کو سیریس لے رہے ہیں، پاپا اور چاچو کی کتنی خواہش تھی کہ وہ آفس جوائن کریں۔“اقصیٰ جواباً لاپرواہی سے بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سوچو تو کتنی عجیب بات ہے کہ اتنی جلدی ان میں اتنی بڑی تبدیلی رونما ہو گئی۔" سعد کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"یار وہ ایک میچیور انسان ہیں کچھ سوچ سمجھ کر ہی انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔"

"اقصیٰ وہ کچھ دن پہلے تک بھی ایک میچیور انسان ہی تھے اور اتنا تو میں جانتا ہوں کہ مغل ہاؤس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ وہ اپنا سیاحت کا شوق چھوڑ دیتے۔"

"سامنے کی بات ہے سعدی .انہوں نے ساحرہ آپی کے کہنے پہ ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔"

”نیور ... ساحرہ آپی اس قسم کی کوئی بات نہیں کرسکتیں۔
تم کیوں متجسس ہورہے ہو؟“اقصیٰ چڑ گئی۔“
تجسّس کی بات بھی ہے۔ آخر شیری بھیا جیسے اٹل فیصلے کرنے والے انسان میں اتنی لچک کیسے پیدا ہوئی کہ وہ اپنا سب سے بڑا شوق قربان کرکے یہیں کے ہورہنے پہ مُصر ہوگئے۔ مغل ہاؤس کے قدرتی مناظر تو اتنے پاور فل ہرگز نہ تھے کہ شہیر مرزا کے قدموں کی زنجیر بنتے۔“سعد پُر خیال انداز میں بول رہا تھا۔ اقصیٰ بے زاری سے اٹھ کر اپنی سہیلیوں کی طرف چلی گئی۔

پاپا ! میرے خیال میں سجل کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دینا“

چاہیئے۔" شام کی چائے پہ حسبِ معمول گھر کے سب افراد جمع تھے جب شہیر نے صولت مرزا کو مخاطب کیا تھا۔ اقصیٰ کی کوئی بات غور سے سنتی سجل بے اختیار ہی شہیر کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہاں بالکل۔ بلکہ تم ایسا کرو کہ کل ہی اس کو لے جاؤ اور اسکا" ایڈمیشن کروادو۔ اسطرح اسکو سبجیکٹ سلیکشن میں بھی مدد مل جائیگی۔" صولت مرزا نے شہیر کے خیال کی تائید کی تھی۔ رابعہ بیگم کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات تھے مگر وہ کچھ بولی نہ تھیں۔

سجل تمھیں کونسے سبجیکٹس میں انٹرسٹ ہے؟" اقصیٰ نے"

ایکسائیٹڈ ہو کر پوچھا۔ سجل کے طوطے اڑ گئے، اسے سبجیکٹ تو دور کی بات پڑھائی میں ہی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

کسی خاص میں نہیں۔ "وہ مدھم آواز میں بولی۔ شہیر سن" نہیں پایا تھا مگر سعد اور اقصیٰ ہنسنے لگے۔

یار انٹر میں کونسے سبجیکٹ تھے تمہارے؟ "سعد نے پوچھا۔"

آرٹس ہی تھی۔ اب یاد نہیں کونسے سبجیکٹ تھے۔ "اسے" درحقیقت اپنے سبجیکٹس اور مارکس یاد نہیں تھے۔

یار لٹریچر پڑھ لو ناں۔ "اقصیٰ نے کہا۔ شہیر بھی اٹھ کر انکے" پاس آبیٹھا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ "سجل نے سر ہلادیا۔"

بس ڈن ہوگیا۔ سجل بی ایس انگلش کریگی۔" اقصیٰ نے کہا۔"
سجل کے چہرے پہ فی الوقت صرف ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انگلش میں تو وہ بہت ویک تھی۔ مگر شہیر کے سامنے کچھ کیسے کہتی۔
یہ تو زبردست ہے یار۔ "شہیر بولا۔ اسے تو ادب میں ویسے بھی بہت دلچسپی تھی۔
انگلش لٹریچر کے حوالے سے تو میں بھی تمہاری ہیلپ کرسکتا ہوں سجل۔ "اس نے آفر کی۔
جی۔ "وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ کچھ فاصلے پہ بیٹھی ساحرہ کی" سنجیدہ سی نظریں شہیر کے پرشوق چہرے سے ہوتی ہوئی سجل تک گئی تھیں۔ وہ اپنے مخصوص نروس سے انداز میں انگلیاں

مروڑ رہی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کے دوپٹے کا عکس اسکی آنکھوں کے رنگ کو مزید سحر انگیز بنا رہا تھا۔ ایک لحظے کو ساحرہ کی نظریں اسکی آنکھوں کے رنگ میں الجھی تھیں، لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر سے اپنی فائل کی ورق گردانی کرنے میں مصروف ہوگئی۔ شہیر کا موبائل بجا تو وہ سیل فون کان سے لگائے کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ اسکے جاتے ہی سجل نے سکون کا سانس لیا تھا۔

یونیورسٹی میں داخلے کے تمام مراحل خوش اسلوبی سے طے ہوگئے تھے۔ کلاسز شروع ہونے سے کچھ دن قبل صولت مرزا

نے اقصیٰ کو کچھ رقم تھما کر یہ ھدایت کردی کہ وہ سجل کو اپنے ساتھ لے جاکر شاپنگ کروادے۔ اقصیٰ اور سعد اسے لیئے ایک مشہور شاپنگ مال میں آئے تھے۔ دورانِ شاپنگ اقصیٰ یہ محسوس کیئے بناء نہ رہ سکی تھی کہ کپڑوں کے انتخاب کے معاملے میں سجل کی پسند بہت ڈیسنٹ تھی۔ شاپنگ کے بعد سعد ان دونوں کو لنچ کروانے لے گیا۔ گزرتے دنوں کیساتھ سجل سعد کیساتھ تھوڑی بہت بے تکلف ضرور ہوگئ تھی۔ مغل ہاؤس میں صرف اقصیٰ اور سعد ہی دو ایسے لوگ تھے جن کیساتھ بیٹھ کر وہ باتیں کرلیتی تھی، کھل کر ہنس لیتی تھی۔ باقی افراد میں سے رابعہ بیگم کے آگے تو اسکی بولتی بالکل بند ہوجاتی تھی وہ ویسے بھی اس سے

اکثر نالاں ہی رہتی تھیں۔ صولت مرزا سے بھی بس سلام دعا کے علاوہ کبھی کوئی بات کرنے کی اسمیں ہمت نہ ہوتی تھی۔ ثمینہ اور شوکت مرزا کا رویہ اسکے ساتھ بالکل نارمل سا تھا نہ وہ اس کو زیادہ مخاطب کرتے اور نہ ہی کبھی اسکے وجود سے بے زاری کا اظہار کرتے۔ ناظمہ خاتون کا رویہ بھی بس لیئے دیئے کا سا تھا۔ ساحرہ کی تو ویسے ہی ایک لگ دنیا تھا۔ باقی رہ گیا شہیر تو وہ اس سے بے تکلفی سے ہی پیش آتا تھا۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اس کے متعلق فکر مند رہتا تھا. مگر شہیر سے وہ خود کتراتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ وہ اسے خود سے عمر میں کافی بڑا لگتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ رابعہ بیگم کا

بیٹا تھا اور رابعہ بیگم تو ویسے ہی اس سے خار کھائے رہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کبھی اسے اپنے اکلوتے بیٹے کیساتھ بے تکلف ہوتا دیکھ لیں اور انہیں اسکے کردار پہ انگلی اٹھانے کا موقع مل جائے۔ اس نے ہوش سنبھالنے کیساتھ ہی اپنی ماں کی بد کرداری کے طعنے سنے تھے اسکی دادی اکثر اسے بتایا کرتی تھیں کہ اسکی حرّافہ ماں نے انکے بیٹے کو ایسا پھانسا تھا کہ اس نے اپنی بچپن کی منگنی توڑ ڈالی تھی۔ اس نے اپنی دادی کی زبانی ہی یہ سنا تھا کہ اسکی ماں اسکے باپ سے عمر میں کافی چھوٹی ہونے کے باوجود ایسی ہوشیار اور چالاک تھی کہ مردوں کو اپنی انگلیوں پر نچانے کا فن بخوبی جانتی تھی۔ اسکی دادی اکثر اسکے باپ کو اس

بات کے بھی خوب طعنے دیتی تھیں کہ انہوں نے انکی ہیرا جیسی بھتیجی کو ٹھکرا کر جس عورت سے شادی کی تھی وہ انکو کیسا رسوا کرکے چلی گئی تھی۔ اور اسکے ابو جواباً کہتے تو کچھ نہ تھے مگر دل ہی دل میں وہ کتنا کڑھتے اس بات کا ثبوت انکی اچانک موت تھی جو دماغ کی شریان پھٹنے کے باعث واقع ہوئی تھی۔

سجل یہ سب دیکھتے اور سنتے ہوئے بڑی ہوئی تھی اور ان سب باتوں نے اسے عمر سے پہلے ہی ذہنی طور پر کافی میچیور کردیا تھا۔ پھر مغل ہاؤس آنے کے بعد اس نے اپنی ماں کو محبت کی شادی کے جرم کی پاداش میں قیدِ تنہائی کی سزا بھگتتے دیکھا تو اسکا دل بری طرح ڈر گیا۔ اپنی ماں کے ابتر حال اور اپنے باپ کے

پُرملال انجان کو دیکھنے کے بعد وہ اب مغل ہاؤس میں اپنے ہر ہر رویے میں بہت محتاط ہو کر چلنا چاہتی تھی۔ وہ کسی کو بھی خود پہ انگلیاں اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

اس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پہ ایک تفصیلی نظر ڈالی۔ سفید رنگ کے کاٹن کی کھلی سی گھیر دار شلوار پہ گہرے نیلے رنگ کی کاٹن کی گھٹنوں سے اونچی قمیص میں اسکا متناسب سراپا کافی بچ رہا تھا۔ قمیص کی آستینیں پوری تھیں اور گلے اور دامن پہ سفید لیس لگی ہوئی تھی۔ اسکے بال گہرے بھورے رنگ کے تھے اور کمر سے کچھ نیچے تک آتے تھے اور اس وقت پشت پہ بکھرے

اسکے ریشمی بال بہت حسین نظر آرہے تھے۔ اسنے انہیں سمیٹ کر سلیقے سے چوٹی گوندھی اور سوٹ کے ساتھ کا سفید اور نیلا ٹائی اینڈ ڈائی دوپٹہ شانوں پہ پھیلا کر ایک نظر خود پہ ڈال کر مسکرائی۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور سطوت اندر داخل ہوئیں اور اسے دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گئیں۔ سجل کی سرخ و سفید رنگتے دمک رہی تھی۔ آنکھوں کا رنگ قمیص کے رنگ سے ہم آہنگ ہورہا تھا۔ اسنے سب نقوش نوید احمد کے چرائے تھے حتیٰ کہ آنکھوں کا رنگ بھی ویسا ہی نیلا سرمئی سا تھا۔ سطوت جب جب اسکے چہرے کیجانب دیکھتیں انکے دل پہ اک عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

ماشاء اللہ ! میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔"انہوں نے" آگے بڑھ کر محبت سے اسکی پیشانی کو چوما۔ وہ مسکرانے لگی۔ مسکراتے ہوئے اسکے ہونٹوں کے قریب ہلکی ہلکی لکیریں پڑتی تھیں بالکل نوید احمد کیطرح۔۔ سطوت کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔

کس کیساتھ جاؤگی بیٹا؟"انہوں نے اس سے دریافت کیا۔"

سعد اور اقصیٰ کیساتھ۔"اس نے اپنے بیگ کی زپ بند کرتے" ہوئے انہیں بتایا۔

اچھا ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی" ہیں۔"سطوت نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔

”جی امی۔“

بیٹا ! تمہارے ماموؤں نے تمہیں آگے پڑھنے کی اجازت دی" ہے اور تمہیں خوب دل لگا کر پڑھنا ہے۔ اب تمہارے ماموں ہی تمہارے سرپرست ہیں اور تم نے کبھی بھی انکو مایوس نہیں کرنا۔ تمہارے نانا کی بہت خواہش تھی کہ میں بہت سارا پڑھ لکھ لوں مگر میں عمومیت کے اسی سیلاب میں بہہ گئ تھی جس میں اکثر لوگ بہہ جایا کرتے ہیں۔ لیکن تم سطوت نہیں ہو سجل۔ اور تمہیں یہ پروو کرنا ہے کہ تم عام لڑکیوں جیسی نہیں ہو .بیٹی ! عورت کا دل اس قدر پوشیدہ ہونا چاہیئے کہ مرد کی رسائی اس تک ممکن نہ ہو پائے۔ اس عمر میں تمہیں یہ رنگینیاں

بہت بھائیں گی مگر ان روشنیوں کی حقیقت ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خود پہ پڑتی توصیفی نگاہیں آسمان کی بلندیوں پر لے جاتی ہیں بیٹا لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ بہت بلندی سے گرنا بہت زیادی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وجود چھلنی ہو جاتا ہے اور روح پہ گہرے چھید پڑ جاتے ہیں۔ میری بات سمجھ رہ ہو ناں سجل؟" بہت دھیمے مگر درد سے پُر لہجے میں بولتے ہوئے انہوں نے اسکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو وہ جو سر جھکائے انکا ایک اک لفظ سن رہی تھی، چونک کر انکی طرف دیکھنے لگی۔ سطوت کے زرد سے کمزور چہرے پر .برسوں کی تھکن رقم ہو چکی تھی۔ وہ اتنی بوڑھی نہ تھیں جتنی دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے دھیرے

سے سر اثبات میں ہلادیا۔

چلو چل کر ناشتہ کرلیں۔"وہ اسکا گال تھپتھپا کر اٹھیں اور" کمرے سے چلی گئیں۔ وہ سست روی سے اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھایا پھر کچھ سوچ کر واپس رکھ دیا ۔چند لمحے اپنے عکس پہ نظریں جمائے رہی پھر وارڈروب کیطرف بڑھی۔ اسمیں سے ہینگ کی ہوئی سفید چادر نکالی اور دوپٹہ اتار کر چادر اچھی طرح اوڑھ لی۔ لباس کی خوبصورتی اور نازک سراپا چھپ گیا تھا۔ وہ بالکل عام نظر آنے لگی تھی۔۔۔ ناقابلِ توجہ۔ سجل نے مطمئن سے انداز میں سرہلایا اور بیگ کاندھے پہ ڈال کر کمرے سے باہر آگئی۔ ناشتے کی میز پہ گھر کے تقریباً سبھی افراد جمع تھے

وہ سلام کرتے ہوئے اقصیٰ کے برابر والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

فرسٹ ڈے آف یونیورسٹی۔ "شہیر نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔"

جی۔ "وہ بھی جواباً ہلکا سا مسکرائی تھی۔"

بیسٹ آف لک۔ "شہیر نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی جواباً مدھم سا مسکرا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سجل یہ کیا ٹینٹ اوڑھ لیا تم نے اس ڈریس کا دوپٹہ کیوں نہیں لیا اتنا پیارا تھا وہ۔ "اقصیٰ نے مدھم آواز میں اسے مخاطب کیا۔

سجل نے اپنے بالکل سامنے بیٹھی سطوت کیطرف دیکھا۔ انکی آنکھوں میں اطمینان اور ہونٹوں پر ممتا بھری مسکراہٹ تھی۔

میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" مدھم آواز میں اقصیٰ کو جواب دیکر"
وہ ناشتے کیجانب متوجہ ہو گئ تھی۔

یونیورسٹی جوائن کرنے سے اسکی شخصیت میں کافی مثبت تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ اسمیں اعتماد پیدا ہوا تھا۔ کلاس میں اتنے سارے لوگوں کے سامنے بات کرتے ہوئے پہلی بار تو وہ جی بھر کر گھبرائی تھی مگر آہستہ آہستہ اسکا اعتماد بحال ہونے لگا۔ کلاس فیلوز کیساتھ بھی اسکی اچھی علیک سلیک تھی مگر بہت گہری دوستی اس نے کسی کیساتھ بھی نہیں کی تھی خصوصاً لڑکوں کیساتھ تو وہ بالکل لیئے دیئے کے سے انداز میں بات کرتی تھی۔

یونیورسٹی تک وہ سعد اور اقصیٰ اکٹھے ہی آتے تھے مگر یہاں پہنچ کر سجل کا راستہ ان دونوں سے لگ ہو جاتا تھا۔ سعد ایم بی اے کے تھرڈ جبکہ اقصیٰ بی بی اے کے دوسرے سمسٹر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ ان دونوں کے ڈیپارٹمنٹ قریب قریب تھے جبکہ سجل کا ڈیپارٹمنات کافی دور تھا۔ ان تینوں کی کلاسز کے اوقات بھی آگے پیچھے ہوتے رہتے تھے مگر گھر وہ اکٹھے ہی جاتے تھے۔ اگر کسی دن کوئی ایک جلدی فری ہو جاتا تو پھر وہ باقی دونوں کی کلاسز ختم ہو جانے کا انتظار کرتا تھا۔ بی ایس میں اس نے انگلش کیساتھ فرانسیسی زبان کا کامبی نیشن لیا تھا۔ پہلے سمسٹر میں انہیں صرف فرینچ ہی پڑھائی جا رہی تھی۔ اور اسکی تو انگریزی ہی

کافی کمزور تھی کجا کہ فرینچ۔۔ وہ دن رات محنت کر رہی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ امی اور ماموؤں کو اس سے کوئی شکایت ہو۔ وہ اپنی پڑھائی کو بہت سنجیدہ لے رہی تھی۔ مغل ہاؤس کی بڑی سی لائبریری سے اسکو کافی مدد ملی تھی اور وہ اکثر رات گئے تک وہاں بیٹھی نوٹس بنایا کرتی۔ اسکی زندگی کو ایک نیا موڑ ملا تھا اور وہ کافی مطمئن تھی۔

وہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد مسجد سے باہر نکلا تو آسمان پر منڈلاتے سیاہ بادلوں کو دیکھ کر رننگ کا ارادہ ترک کرکے گھر کی جانب چل دیا۔ ٹھنڈی یخ ہوا بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ سیاہ

بادل گرج رہے تھے۔ یوں جیسے اب برسے کہ تب۔۔ وہ اس خوبصورت موسم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گھر پہنچا تو برآمدے میں ہی ساحرہ سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ وہ ہاسپٹل جانے کیلیئے تیار نظر آرہی تھی۔

شہیر! مجھے ہاسپٹل ڈراپ کردو۔ پتہ نہیں کیوں میری گاڑی" اسٹارٹ نہیں ہورہی۔ سعد بھی سورہا ہے ورنہ اسی سے کہہ دیتی۔" وہ ازخود اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ شہیر جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی کسی سے ایسی فرمائشیں نہیں کرتی میڈیکل کالج میں داخل ہونے کے بعد سے آج تک وہ اپنی گاڑی ہی استعمال کرتی تھی۔

میں کردیتا ہوں ڈراپ مگر تم واپس کس کیساتھ آؤ گی۔ ڈرائیور
تو چھٹی پر ہے۔" اس نے دریافت کیا۔
واپسی پر میں مینیج کرلوں گی ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اسنے
کلائی پر بندھی گھڑی پہ نظر دوڑا کر عجلت آمیز انداز میں کہا۔
اوکے میں گاڑی کی چابیاں لیکر آتا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے
اپنے کمرے میں آیا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھا
کر پورچ میں آیا جہاں وہ اسکی منتظر تھی۔ شہیر نے گاڑی نکالی
اور ساحرہ کے بیٹھتے ہی گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ تمام رستہ ساحرہ
وقفے وقفے سے مختلف کالز اٹینڈ کرتی رہی تھی اور اسکی گفتگو سے
اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ہسپتال میں کوئی مریض سخت پیچیدہ

صورتحال میں ہے۔ ساحرہ نے سارا راستہ اسے مخاطب نہ کیا تھا اور ہسپتال پہنچ کر بھی وہ اسے ایک فارمل سا "تھینک یو"بول کر تیزی سے ہاسپٹل کی عمارت میں چلی گئ تھی۔

وہ جب گھر پہنچا تب تک ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوچکی تھی۔

وہ گاڑی گیراج میں کھڑی کرکے برآمدے کیجانب بڑھا ہی تھا کہ کسی کے ہنسنے کی آواز پر بلا ارادہ ہی اسکے قدم رکے اور وہ چونک کر مڑا۔

دائیں جانب پائیں باغ میں جھیل کے پاس سجل اور اقصیٰ کھڑی تھیں۔ جھیل پہ جھکے سفید پھولوں والے درخت سے اچھل اچھل کر پھول توڑتے ہوئے سجل ہنس ہنس کر اقصیٰ سے کچھ کہہ رہی

تھی۔ شہیر کو اسکے الفاظ واضح طور پر سنائی نہ دے رہے تھے مگر جب وہ ہنستی تو کھنکھتی ہوئی سی وہ جلترنگ ہوا کے دوش پہ لہراتی سارے ماحول میں گنگناہٹ پیدا کردیتی تھی۔ اس نے سفید رنگ کی سادہ سی کاٹن کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور سفید دوپٹہ شانوں پہ پھیلا رکھا تھا۔ اسکی لمبی چوٹی پشت پہ لہرا رہی تھی اور اسمیں بھی کچھ سفید پھول اٹکے ہوئے تھے۔ وہ بے حد خوبصورت تھی شہیر مبہوت ہوگیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے پہ پھول چھینکتی ہنستی ہوئی اک دوجے کے پیچھے بھاگتی پل پہ جاچڑھیں۔ پھر اسکی چھوٹی سی منڈیر پہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ سجل نجانے کیا کہہ رہی تھی۔ تیز تیز بولتے ہوئے اسکی

بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی چہرہ کسی جوش کے مارے لو دے رہا تھا۔ بولتے بولتے وہ زور سے ہنس پڑی تو اسکے گلابی ہونٹوں کے درمیان سے جھانکتی موتیوں جیسے سفید دانتوں کی جھلک نے اسکے چہرے کو مزید دمکا دیا۔

،وہ ہونٹ ہوں کہ تبسم، سکوت ہو کہ سخن
تیرا جمال ہر رنگ میں کمال کرے۔۔۔

شہیر کو لگا اگر وہ ایک لمحہ بھی ادھر رکا تو پتھر کا ہوجائیگا۔ وہ منظر بہت دلکش تھا۔۔ مگر وہ پتھر کا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے سر

جھٹک کر ادھر ادھر دیکھا۔۔ اور پھر پلٹ کر اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

روحینہ کے ساس سسر عمرہ کی سعادت حاصل کرنے جارہے تھے اسلیئے مغل ہاؤس میں انکے لیئے دعوت رکھی گئ۔ رابعہ بیگم کے تو وہ سگے بھائی بھابھی تھے اسلیئے وہ ہر ہر انتظام کا از خود جائزہ لے رہی تھیں۔ سطوت کو رات سے بخار تھا اسلیئے رابعہ بیگم کی پریشانی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ ملازمہ بھلے کھانا پکانے میں ماہر تھی مگر وہ مطمئن نہ ہورہی تھیں۔ سجل نے سطوت کو دوا دیکر سلایا اور پانی پینے کی غرض سے کچن میں آئی تو رابعہ بیگم کو

ملازمہ سے الجھتے دیکھا۔ ڈنر کا مینو اکیلی ملازمہ کے بس کا نہ تھا اور دوسری ملازمہ جمیلہ کو کھانا پکانے میں کچھ خاص مہارت نہ تھی اور رابعہ بیگم کو آج کے ڈنر کیلیئے ہر تمام ڈشز بالکل پرفیکٹ چاہیئے تھیں۔

بڑی ممانی میں کچھ ہیلپ کروادوں؟ "وہ ہمت کرکے آگے" بڑھی۔ رابعہ بیگم ماتھے پہ شکنیں لیئے اسکی طرف پلٹیں۔

"تم .. تمہیں کوکنگ آتی ہے؟"

"جی بڑی ممانی .. دیسی کھانے تو تقریباً سبھی بنالیتی ہوں میں۔" وہ سر جھکا کر مؤدب انداز میں بولی تھی۔

ہوں ... اچھا تم اسکے ساتھ تھوڑی بہت ہیلپ کروادو۔ تمہاری"

ماں بھی بیمار ہے ورنہ اسکے ہوتے تو مجھے کوئی فکر ہی نہیں ہوتی کچن کی۔ میرا تو اپنا بی پی لو ہورہا ہے ابھی کتنے کام پڑے ہیں۔" وہ اپنی پیشانی مسلتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہہ رہی تھیں انہیں گھر کے کام کاج کی کچھ خاص عادت نہیں تھی، خصوصاً کچن میں تو داخل ہوتے ہی انہیں اپنا بی پی لو ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ "آپ پریشان نہ ہوں بڑی ممانی۔ یہاں کے سب انتظامات میں دیکھ لوں گی۔" وہ بہت نرم لہجے میں کہہ کر کاؤنٹر کیجانب بڑھ گئی۔ رابعہ بیگم کو اس وقت سجل کا دم غنیمت لگا تھا لہٰذا وہ چپ چاپ کچن سے باہر نکل گئیں۔ جمیلہ کو بھی کچن میں بھیج کر وہ اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئیں۔ دل مطمئن نہ تھا اسلیئے شام

تک انہوں نے کچن کے کئی بار چکر لگا ڈالے تھے۔ سجل دونوں ملازماؤں کیساتھ تندہی سے کام میں مصروف تھی اسکے انداز کا سلیقہ اس بات کا مظہر تھا کہ وہ کھانا پکانے میں کافی مہارت رکھتی تھی۔ مہمانوں کی آمد تک سب تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں۔ پھر ڈنر سرو کیا گیا۔ رابعہ بیگم یہ بات نوٹ کیئے بناء نہ رہ سکی کہ کھانے کی presentation میں سلیقے کی جھلک تھی۔ سب ڈشز بھی انتہائی لذیذ تھیں۔ کھانے کی میز پہ سجل نہیں تھی۔ شہیر کے استفسار پہ اقصیٰ نے بتایا تھا کہ اسکا صبح سیشنل ہے اور وہ اسکی تیاری کر رہی ہے۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا اسکے بعد مہمانوں نے اجازت چاہی تبھی سجل چلی آئی۔ اسکا

تعارف کروایا گیا۔ وہ سب سے اپنے مخصوص شرمیلے سے انداز میں ملی تھی۔ اسکا دھیما سا لہجہ روحینہ کے ساس سسر کو بہت بھایا تھا۔ رابعہ بیگم سوچ رہی تھیں کہ وہ اس بہترین انتظام پر سجل کا شکریہ ادا کریں یا نہیں۔ اسی مخمصے میں وہ اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکی تھیں۔۔ تعریف کے دو جملے بھی نہیں۔

سجل ! سنو۔ "وہ رات کے وقت لائبریری میں بیٹھی پڑھ رہی تھی جب سعد دروازہ کھول کر دبے قدموں اندر آیا . وہ بے طرح چونکی۔

آپ ... کیا ہوا؟ "وہ جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔"

سجل ... میری پیاری بہن ہو نا تم۔ "وہ اسکے سامنے والی کرسی"
گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے لجاجت آمیز انداز میں بولا۔

"جی .. مگر ہوا کیا؟"

یار آئی نیڈ یور ہیلپ۔ "وہ فہمائشی انداز میں بولا۔"

وہ تو سب ٹھیک ہے، لیکن کیا صبح نہ ہوتی سعد بھائی؟ "اس نے"
کچھ اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

ہوتی .. لیکن کام اس وقت ہے۔۔ "وہ جلدی سے بولا۔ "یو نو"
"کل اقصیٰ کا برتھ ڈے ہے۔

اوہ آئی سی ... تھینک یو آپ نے مجھے یاد کروادیا میں تو بالکل"
"بھول ہی گئی تھی۔

بھول گئی تھی ناں تم لیکن مجھے یاد تھا۔" وہ سر ہلا کر بولا۔"
ہاں جی بھلا آپ کیسے بھول سکتے ہیں۔" اس نے شرارت آمیز"
انداز میں کہا۔
یار مذاق چھوڑو۔ فی الحال ہیلپ می آؤٹ۔ مجھے اقصیٰ کو بارہ"
بجے برتھ ڈے وِش کرنا ہے اور گفٹ بھی دینا ہے۔" اس نے
اصل مسئلہ بیان کیا۔ سجل نے اپنا موبائل اٹھا کر وقت دیکھا۔
گیارہ بج کر پینتالیس منٹ ہو چکے تھے۔
"وِش کیسے کرینگے۔ اتنی جلدی کیک کدھر سے آئیگا؟"
"کیک میں لے آتا ہوں ابھی۔"
سعد بھائی !آپ کیا سارا دن سوتے رہے ہیں۔ اس وقت آپکو"

کدھر سے کیک ملے گا۔ قریبی مارکیٹ تو نو بجے بند ہو جاتی ہے اور شہر تک جانے میں کافی وقت لگ جائیگا اور اگر بارہ بجے وش نہ کیا تو کیا فائدہ۔ "وہ اطمینان سے بول رہی تھی۔

تو پھر بتاؤ ناں میں کیا کروں۔ "وہ جھنجھلا کر قدرے اونچا بولا" تھا۔

آہستہ بولیں سب سو رہے ہیں۔ "وہ آنکھیں نکال کر ذرا غصے" سے بولی۔

اوکے .. لیکن پلیز کچھ سوچو ناں۔۔ بغیر کیک کے وش کرنے کا" کیا مزہ آئیگا؟ "وہ اپنا والیوم دھیما کرکے بولا۔

ہوں۔۔ "سجل نے پر سوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔ "کپ کیک"

”چلے گا۔

”کینڈل تو لگ جائیگی ناں اس پر؟“

”ہاں ہاں آرام سے۔“

اوکے گڈ۔ چلو پھر دو مجھے کپ کیک۔ ”وہ کرسی سے اٹھتے“ ہوئے عجلت بھرے انداز میں بولا۔

سعد بھائی آپ اسے وش کدھر جا کر کرینگے؟ ”اس نے بھی“ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”وہ کہاں ہے؟“

”سو رہی ہے اپنے کمرے میں۔“

تو بس میں وہیں جا کر وش کردوں گا اسے۔ ”وہ آرام سے بولا۔“

پاگل ہوگئے ہیں۔ امی کا کمرہ بالکل ساتھ ہے اور جانتے ہیں "
ناں انکی نیند کتنی کچی ہے۔"
اوہ...تو پھر میں کیا کروں؟ "سعد کا منہ لٹک گیا۔"
دیکھیں آپ باہر جھیل کے پاس کیک اور گفٹ لیکر پہنچ جائیں "،
میں اقصیٰ کو کسی بہانے سے لے آتی ہوں۔"
گریٹ آئیڈیا..تم تو بڑی جینئیس ہو۔ "سعد جھوم اٹھا۔"
لیکن یاد رکھیں۔ پندرہ منٹ سے زیادہ کا وقت نہیں ملے گا "،
کیونکہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو سب سے پہلے میری گردن پھنسے
گی۔ "وہ انگلی اٹھا کر وارننگ دینے کے سے انداز میں بولی۔
کتنی سیلفش ہو تم۔ صرف اپنا سوچ رہی ہو، بھائی کا کوئی خیال "

نہیں۔ ”سعد نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا۔

”بھائی کا بھی خیال ہے اسلیئے کہہ رہی ہوں۔“اس نے ”بھی“ پہ زور دے کر کہا۔ ”اب چلیں بارہ بجنے والے ہیں۔“اس نے گھڑی کیطرف اشارہ کرکے کہا تو سعد نے جلدی سے سرہلایا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لائبریری سے نکل گئے۔

اقصیٰ گہری نیند میں تھی جب کسی کے بری طرح جھنجھوڑنے پر ہڑبڑا کر اُٹھ گئ اور آنکھ کھلتے ہی سجل کی شکل دکھائی دی تھی۔

کیا کوا خیریت۔۔“وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔“

ششش ...آہستہ بولو۔ ”سجل نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔“

"ہوا کیا ہے؟"

اُٹھو جلدی۔۔ "وہ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچ کھانچ کر بٹھاتے ہوئے بولی۔

کیوں .. کیا ہوا ہے؟؟ "وہ سخت حیران ہورہی تھی مگر سجل نے اسے زبردستی بستر سے اُٹھا دیا اور اسے جوتے پہننے کا بھی موقع دیئے بناء کھینچتی ہوئی کمرے سے باہر لے آئی۔

سجل کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ "وہ جِھلّا گئی۔"

چپ کوئی سن لے گا۔ یہاں بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔ چلو اترو۔ "وہ زینوں کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

پاگل ہوگئی ہو کیا؟ "اقصیٰ نے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔"

چلو۔ ”وہ اسکا بازو تھام کر اسے ساتھ لیئے زینے طے کرتی گئی۔ اقصیٰ نے احتجاج کرنا چاہا، مگر سجل نے ڈانٹ کر چُپ کروادیا۔ وہ اسے لیئے گھر سے باہر نکلی۔

سجل ! کیا تمہارا گھر سے بھاگنے کا پلان ہے؟ ”اقصیٰ نے اسکی طرف مڑ کر مشکوک لہجے میں پوچھا تو سجل کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

پاگل وہ اُدھر دیکھو۔ ”اس نے دائیں جانب انگلی اُٹھائی۔ اقصیٰ نے گردن گھما کر دیکھا۔ جھیل کے پل پی ہلکی سی روشنی نظر آرہی تھی۔

وہ کیا ہے؟ ”اس نے پلٹ کر سجل سے پوچھا مگر سجل ندارد“

تھی۔ وہ حیران سی رہ گئی۔ تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ جھیل کے پاس آئی۔

ہیپی برتھ ڈے اقصیٰ۔۔ "سعد اسے کان کے قریب آکر بولا تو" وہ بے اختیار چونک گئی۔ وہ اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی ہنس دی۔

اوہ !تو یہ تم ہو ..اور سجل۔۔ "اس نے پلٹ کر دیکھا۔"

سجل کی مدد سے ہی تو یہ ممکن ہوا ورنہ آج بھی ہر سال" کیطرح بس بارہ بجے ایک ایس ایم ایس پہ ٹرخا دیتا تمہیں۔ "وہ اسکے سر کو ہلکا سا ٹھوکا دے کر بولا تو وہ دبی آواز میں ہنس دی۔

اچھا آؤ۔ "وہ اسکا ہاتھ تھام کر اسے ساتھ لیئے جھیل کے پل پہ"

آیا۔ پل کی منڈیر پہ رکھے کپ کیک پہ چھوٹی سی کینڈل روشن تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ اقصیٰ نے پھونک مار کر موم بتی بجھائی۔

ہیپی برتھ ڈے اقصیٰ۔ "وہ مدھم سا گنگنا کر بولا تھا اور کیک اٹھا کر اسکی جانب بڑھایا اسنے ہنستے ہوئے تھوڑی سی بائٹ لے کر کیک اسکے ہاتھ سے لیکر اسکے منہ کیجانب بڑھایا۔

ہمارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں سجل نے وارننگ دی تھی۔ "سعد نے کیک کھاتے ہوئے اسے بتایا۔ اقصیٰ نے ادھر ادھر دیکھا دورویہ روش کے ساتھ ساتھ جلتی فینسی لائٹس اس ھوشے کو روشن کرنے کیلیئے ناکافی تھیں۔ دور دور تک پھیلے

اندھیرے میں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔
کیا سوچنے لگی؟ "سعد نے اسے پکارا۔"
کچھ نہیں . تھینک یو سعدی۔ "وہ مدھم سا مسکرائی۔ سعد نے"
اسکا ہاتھ تھام کر ایک نازک سا بریسلٹ اسکی کلائی میں پہنادیا۔
رِنگ اسلیئے نہیں لی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں"
پروپوز کررہا ہوں۔ "وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ بولا تھا۔
پروپوز کرکے تو دیکھو . حشر بگاڑ دونگی تمہارا۔ "اس نے دھمکی"
آمیز انداز میں کہا تو سعد ہنس پڑا۔
"شادی تو مجھ سے ہی ہوگی تمہاری۔"

"ایویں۔۔۔"

"بالکل ..ایویں۔"

.اچھا ..اب میں چلتی ہوں ". وہ اُٹھ کھڑی ہوئی"

.اتنی جلدی ". سعد بھی اُٹھا"

کہیں کوئی جاگ نہ جائے یار .اور اس سرپرائز کیلیئے تھینکس۔"

گڈ نائٹ۔" وہ جانے کو پلٹی تھی۔ سعد نے ہاتھ بڑھا کر اسکی کلائی تھام لی۔ وہ رُک گئ مگر پلٹی نہیں۔

آئی لو یو اقصیٰ۔" وہ مدھم مگر دلکش لہجے میں بولا تھا۔ اقصیٰ" کی دھڑکنیں گنگنا اٹھیں .اسنے گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔

آئی لو یو ٹو سعدی۔" وہ اسکے بال بگاڑ کو بولی اور اپنا ہاتھ چھڑوا" کر جھپاک سے بھاگی تو اپنے کمرے میں آکر ہی دَم لیا تھا۔

دروازہ بند کرکے اسنے اپنی کلائی میں پڑے بریسلٹ کو دیکھا پھر مسکرادی۔

ہیپی برتھ ڈے۔ "سجل اپنے بستر سے اتر کر لپک کے اسکی" طرف بڑھی۔

تم بڑی بے ایمان لڑکی ہو۔ "اقصیٰ نے اسکو مصنوعی غصے سے" گھورا۔

ہاں ہاں اب تو بے ایمان ہی لگوں گی ناں ..دل میں تو لڈو" پھوٹ رہے ہیں۔ "سجل نے اسے چھیڑا۔ اقصیٰ ہنس پڑی۔

تھینک یو سو مچ سجل۔ آئی لو یو۔ "اس نے آگے بڑھ کر اسے" گلے سے لگالیا۔

آئی لو یو ٹو مائی ڈئیر کزن .اینڈ ہیپی برتھ ڈے۔"سجل نے" محبت سے اسکا گال چوما۔

تھینکس۔ تم بہت اچھی ہو سجل۔"اقصیٰ نے پیار سے کہا۔"

سجل جواباً مسکرادی۔ اقصیٰ کے چہرے پہ پھیلی الوہی چمک نے اسے بہت خوشی دی تھی۔

گلے روز اقصیٰ کی سالگرہ کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مغل ہاؤس کے درودیوار سرِ شام ہی جگمگا اٹھے تھے۔ لان میں اس شاندار تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ شہیر آفس کے کسی کام میں الجھ کر قدرے دیر سے گھر

پہنچا۔ گھر کے تقریباً سبھی افراد لان میں جمع تھے۔ شہیر کے انتظار میں ابھی کیک نہیں کاٹا گیا تھا۔ وہ دس منٹ میں فریش ہو کر آنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ پھر دس منٹ سے بھی کم کے عرصے میں منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کرکے کمرے سے باہر نکل آیا۔ راہداری سے گزرتے ہوئے ایک کمرے سے آتی کھنکتی ہنسی کی آواز نے بے اختیار اسکے قدموں کو روک دیا تھا۔ بڑی مانوس سی ہنسی تھی۔ دائیں طرف جو کمرہ تھا وہ شادی سے قبل روحینہ کا تھا۔ اور شادی کے بعد بھی اسے روحینہ کیلیے ہی مخصوص رکھا گیا تھا۔ آواز اسی کمرے سے آرہی تھی۔

ارے یار۔۔۔ میں اسی طرح ٹھیک ہوں۔ "کھنکتی سی ہنسی کے"

ساتھ کہا گیا تھا۔ وہ پورے کا پورا آواز کی سمت گھوم گیا تھا، اندر کا منظر بڑا واضح تھا۔ قدآدم آئینے کے سامنے اقصیٰ اور سجل کھڑی تھیں۔ سجل کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اور وہ آئینے میں دیکھتے ہوے اپنے لمبے گھنے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹ کر شاید کسی اسٹائل میں باندھنے کا سوچ رہی تھی۔ جبکہ اقصیٰ اسکے ہاتھوں کو بار بار ہٹا کر شاید اسے بال کھلے رکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

میرے برتھ ڈے پر تم ماسی نہیں بنو گی۔ "اقصیٰ بولی ,تو وہ" پھر ہنس پڑی۔

"برتھ ڈے تمہارا ہے میرا نہیں اور میں ماسی ہی ٹھیک ہوں۔"

چلو ہٹو۔ ”وہ اسکے ہاتھ ہٹا کر تیز لہجے میں بولی اور جلدی سے اپنے بال سمیٹ کر کیچر لگایا۔ اور شانوں پہ پڑا دوپٹہ سر پہ لے لیا۔ لمبے بال چھپ گئے تھے۔

کیا سجل۔۔۔۔ آج بھی سر پہ دوپٹہ۔۔۔۔۔ ”اقصیٰ نے پھر“ احتجاج کیا تھا۔

لیٹس گو میڈم سب ویٹ کر رہے ہیں تمہارا۔ ”وہ اسکی بات پر“ دھیان دیئے بغیر اسکا بازو تھام کر بولی تھی۔ شہیر تیز قدموں سے چلتا لان میں آگیا۔ یہاں پر بہت سے لوگ اسکے منتظر تھے۔ وہ اپنے آفس کے کولیگز کی طرف چلا آیا۔ اسکی نگاہیں غیر شعوری طور پر سجل کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ اسے نظر نہ

آئی۔

شہیر! "کسی نے اسے بلایا تو وہ چونک کر پلٹا۔ وہ ساحرہ تھی۔" سیاہ رنگ کی شیفون کی ساڑھی میں رات کی مناسبت سے کئے گئے میک اپ میں اپنے مخصوص باوقار انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

ہاں ساحرہ بولو۔ "اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔"

"Can you please give me some time"

وہ اپنے کانونٹ زدہ لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

شیور۔ "وہ مسکرایا تھا۔"

اوکے کم ودمی۔ "وہ باوقار انداز میں چلتی اسے ایک جانب لے"

آئی جہاں اسکے کولیگز کھڑے تھے۔

ہائے گائیز۔ میٹ مائے فیانسی شہیر۔ اور شہیر یہ سب میرے کولیگز ہیں۔" اس نے قدرے بلند آواز میں کہا تھا۔ وہ سب شہیر کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ساحرہ اب فردا فردا سب کا تعارف کروا رہی تھی اور وہ فارمل سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے سب کے ساتھ رسمی جملوں کا تبادلہ کر رہا تھا۔ پھر کیک کٹنے تک وہ ساحرہ کے ساتھ ہی رہا۔ وہ الگ بات تھی کہ ساحرہ نے اس سے کم اور اپنے کولیگز سے زیادہ باتیں کی تھیں۔ کیک کٹتے وقت اس نے دیکھا سجل اقصیٰ کے بلکل ساتھ کھڑی تھی۔ اقصیٰ نے جھک کر پھونک مار کر موم بتیاں بجھائیں۔ اور تالیوں کی گونج میں کیک

کاٹا۔ سجل ہنس رہی تھی۔ اقصیٰ کو کیک کھلاتے ہوئے اس نے شرارت سے اسکی ناک پر چاکلیٹ لگادی تھی۔ اسکا چہرہ گلابی دوپٹے کے ہالے میں دمک رہا تھا۔ شہیر ایک محویت کے عالم میں اسے دیکھے گیا۔ رابعہ بیگم کی آواز پر اسکی محویت ٹوٹی تھی۔ وہ اسے گروپ فوٹو کیلیئے بلا رہی تھیں۔

کیک کٹنے کے بعد کھانے کا دور چلا۔ وہ سعد اور ارسلان)روحینہ کا میاں (کے ساتھ کھڑا باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ انکے درمیان خالصتاً کاروباری گفتگو ہورہی تھی۔ ارسلان اپنی کسی نئی بزنس ڈیل کے متعلق بتارہا تھا۔ جب شہیر کی نظر اچانک ہی سامنے اٹھی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں پلیٹیں

پکڑیں ناظمہ خاتون کے پاس گئ اور پلیٹیں ان کے سامنے رکھ کر جھک کے ان سے کچھ کہنے لگی پھر ان کا جواب سن کر پلٹ گئ۔ چند لمحوں بعد پانی سے بھرا ہوا گلاس لیئے انکے پاس چلی گئ تھی۔ پھر خود بھی سامنے والی کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گئ۔ اس نے آج ہلکے گلابی رنگ کا لمبا فراک پہن رکھا تھا۔ آنکھوں میں بھر کر کاجل ڈالنے سے اسکی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ بلاشبہ خطرناک حد تک خوبصورت تھی۔ وہ کسی ٹرانس کے عالم میں سعد اور ارسلان کے پاس سے قدرے الگ تھلگ ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ناظمہ خاتون سے ہولے ہولے کچھ کہہ رہی تھ۔ اسکے چہرے پہ بہت نرم تاثرات تھے۔ انکے کھانا ختم

کرنے تک وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اسکے بعد شہیر نے اسے رابعہ بیگم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اسکا ٹخنوں کو چھوتا فراک اسکے چلنے سے ہولے ہولے لہریں لے رہا تھا۔ وہ اب رابعہ بیگم کو سوئیٹ ڈش لا کر دے رہی تھی۔ شہیر نے اسے ایک بار بھی کھانا کھاتے نہ دیکھا تھا۔ سب کی فکر تھی اسے۔۔۔ اس رات وہ اسے بلکل کسی پری کی مانند لگی تھی۔۔۔ معصوم اور بے ریا۔

اگلے روز اتوار تھا۔ وہ فجر کی نماز کے بعد رننگ کر کے گھر لوٹا تو بے ارادہ ہی نظریں جھیل کی طرف اُٹھ گئیں۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ سر جھٹک کر چلتا ہوا اندر آیا۔ چائے کی شدت سے طلب

محسوس ہورہی تھی اسلیئے کچن میں چلا آیا۔ وہاں سجل پہلے سے موجود تھی۔ وہ ایک لحظہ کو دروازے پہ رُکا پھر ہولے سے کھنکارتے ہوئے اندر چلا آیا۔ وہ چونک کر پلٹی۔

اسلام علیکم! "وہ مدھم آواز میں بولی۔"

وعلیکم السلام! ایک کپ چائے ملے گی۔ "اس نے محتاط انداز" میں دریافت کیا۔

جی! میں چائے ہی بنانے لگی تھی۔ "وہ ہولے سے مسکرائی۔" اسکے لہجے میں دوستانہ پن محسوس کرکے شہیر بھی آرام سے مسکراتا ہوا ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ سجل نے چائے کا پانی چولہے پہ چڑھایا اور کیبنٹ سے چینی اور پتی کا ڈبہ نکالنے لگی۔

اس نے رات والا گلابی فراک ہی پہن رکھا تھا۔ جبکہ سر پہ سیاہ رنگ کا بڑا سا دوپٹہ نماز کے انداز میں لپیٹا ہوا تھا۔ شہیر نے زیادہ تر اسے چادر میں چھپے ہی دیکھا تھا اور اس حلیئے میں بھی وہ پیاری سی گڑیا کی مانند دکھتی تھی۔

تمہاری اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں؟ "شہیر کو خاموشی کھلنے لگی تو" پوچھ بیٹھا۔

بہت اچھی.۔ فرینچ لینگوئج تھوڑی مشکل ہے مگر مزہ آرہا ہے" پڑھنے میں۔ "وہ اسکی طرف پلٹ کر ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

اسکا بولنے کا انداز معصومانہ سا تھا۔ شہیر کو وہ بہت کیوٹ لگی۔

گڈ۔ تمہی رات کو دیر تک لائبریری میں پڑھ رہی ہوتی ہو"

"ناں؟

جی۔ "اس نے ہولے سے گردن ہلائی۔

"ویری گڈ۔ لیکن دیکھو پڑھائی کیساتھ کیساتھ اپنی صحت پہ بھی توجہ دیا کرو۔ کیونکہ راتوں کو جاگ جاگ کر پڑھنے سے صحت بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ "اسے اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ سجل نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پلٹ کر ابلتے ہوئے پانی کیطرف متوجہ ہو گئ۔

"پڑھائی کے علاوہ کیا ایکٹیویٹیز ہیں تمہاری .. آئی مین ہابیز کیا ہیں؟ "شہیر نے پوچھا .وہ ابلتے ہوئے پانی میں چینی اور پتی ڈال رہی تھی۔

کچھ بھی نہیں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا اور پلٹ کر"
فریج کیطرف بڑھی.

"مووِیز وغیرہ نہیں دیکھتی تم؟"
کبھی اقصیٰ دیکھ رہی ہو تو دیکھ لیتی ہوں اسکے ساتھ۔" اس نے"
فریج میں سے دودھ نکال کر واپس کاؤنٹر کی طرف آئی اور
کھولتے ہوئے قہوے میں دودھ شامل کرنے لگی۔ شہیر اٹھ کر
کاؤنٹر تک آیا۔ سجل نے کیبنٹ کھول کر اسمیں سے دو مگ نکال
کر کاؤنٹر پہ رکھے۔ شہیر نے دوسرے کیبنٹ سے کوکیز کا ڈبہ
نکالا۔

گھومنے پھرنے کا شوق نہیں ہے تمہیں۔" اس نے کوکیز پلیٹ"

میں نکالتے ہوئے اس سے پوچھا۔ وہ چائے کپوں میں نکال رہی تھی۔

ہے مگر زیادہ نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ شہیر نے کوکیز کا ڈبہ" بند کرکے واپس کیبنٹ میں رکھا اور اسکے پاس آیا۔ وہ چائے نکال چکی تھی سو ایک مگ اسکی جانب بڑھایا۔

تھینکس۔ لو گی؟" اس نے ایک ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے" دوسرے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ اسکے سامنے کی۔

نو تھینکس۔" اس نے ذرا ذرا نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا" تھا۔ اسکی رنگ بدلتی آنکھوں میں اس وقت ٹھہرے ہوئے پانیوں کا سا عکس تھا۔۔ گہرا نیلا۔۔

سنو۔ ”وہ اپنا مگر اٹھا کر جیسے ہی جانے کو پلٹی وہ بلا ارادہ ہی“

اسے پکار بیٹھا۔

جی۔ ”وہ رک کر پلٹی۔“

”تم لینسز لگاتی ہو کیا؟“

نہیں تو .. کیوں؟ ”اس نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔“

آئی تھاٹ ..شاید لگاتی ہو۔ ”اس نے وضاحت دینے کے سے“

انداز میں کہا۔

نہیں میں نہیں لگاتی۔ ”سجل نے سنجیدگی سے جواب دیا اور“

جانے کو پلٹ گئی۔ شہیر اسکے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک

وہیں کھڑا رہا تھا۔۔ اس ایک لمحے کے فسوں میں گھِرا ہوا۔ وہ لمحہ

جب سجل نے اپنی ساحر آنکھیں اٹھا کر اسکی جانب دیکھا تھا۔ اس نے پہلی بار اتنی حسین آنکھیں دیکھی تھیں اور حیا سے بھری جھیل آنکھوں والی ترکیب مکمل طور پر اسکی سمجھ میں آگئی تھی۔

وہ عجیب سے احساسات میں گھر گیا تھا اور ان احساسات کو وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس روز تمام دن وہ غیر شعوری طور پر سجل کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

سجل ! کیا سوچ رہی ہو؟ "اسے کافی دیر سے ایک ہی زاویے" میں بیٹھے دیکھ کر بلآخر اقصیٰ نے پوچھ ہی لیا۔ کتاب گود میں رکھے وہ کافی دیر سے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے

نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ چہرے گہری سنجیدگی کے تاثرات تھے۔

کہیں نہیں۔ "وہ چونک کر بولی .اور سر جھکا کر کتاب پہ نظر" نہیں کر پا رہا تھا۔ اسنے concentrate جمادی۔ مگر اسکا ذہن جھنجھلا کر کتاب بند سے نظر ہٹا لی اور سر اٹھا کر اقصیٰ کیطرف دیکھا جو رائٹنگ ٹیبل پہ بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی۔

اقصیٰ !ایک بات پوچھوں؟ "اس نے اسے مخاطب کیا۔"

"..ہوں"

"کیا میری آنکھوں کا کلر آرٹیفیشل لگتا ہے؟"

نہیں تو .. کیوں؟ "اقصیٰ نے قلم روک کر سر اٹھا کے اسکی"

طرف دیکھا۔

"کیا ایسا لگتا ہے کہ میں لینسز لگاتی ہوں؟"

ارے نہیں یار ! لینسز میں اتنے یونیک شیڈز کہاں جو شیڈز تمہاری آئیز میں ہیں۔ "اقصیٰ مسکرا کر بولی تو وہ بھی ہلکا سا مسکرا کر کتاب کی سطروں پہ نظریں دوڑانے لگی۔ مگر اسکا ذہن بھٹک رہا تھا۔ نجانے شہیر نے یہ سوال کیوں پوچھا تھا اور اگر اسکی وجہ اسکی آنکھوں کے یونیک شیڈز تھے تو کیا وہ اسکو اتنے غور سے دیکھتا تھا۔۔ مگر کیوں۔۔۔

وہ تو بچپن سے ساحرہ سے منسوب تھا۔ اور ساحرہ۔۔ وہ تو ایک آئیڈیل لڑکی تھی۔ سجل ساحرہ سے بہت مرعوب تھی۔

خصوصیت سے اس وقت تو وہ اسے بہت اچھی لگتی جب سفید اوور آل پہنے گلے میں اسٹھیتھو اسکوپ گلے میں لٹکائے ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے میں گاڑی کی چابیاں لیئے ہوئے ہاسپٹل جانے کیلیئے نکلتی۔ وہ کتنی پر اعتماد تھی۔ سجل کو اسکے سامنے ہمیشہ اپنی ذات میں کچھ ہلکا پن محسوس ہوتا تھا اور گزشتہ رات فنکشن کے دوران جب شہیر اور ساحرہ اکٹھے کھڑے تھے تب کتنی ہی رشک بھری نگاہیں ان پہ تھیں ..وہ دونوں شاندار تھے۔ اور ایک دوسرے کیساتھ پرفیکٹ نظر آتے تھے۔

سجل اپنے ذہن سے سب خیالات جھٹک کر پڑھنے لگی مگر دھیان بار بار بھٹک کر ان دو سیاہ بھنورا سی آنکھوں کی طرف چلا جاتا

جن میں آج کچھ تو ایسا تھا جو معلوم سے ہٹ کر تھا۔

اونچے اونچے پیڑوں پہ خزاں اتر آئی تھی۔ چہار سو کھڑے بے لباس پیڑ اس ٹھٹھرتی رُت میں اداس نظر آتے تھے۔ مغل ہاؤس کی مصنوعی جھیل پہ سایہ فگن درخت ٹنڈ منڈ ہو چکا تھا اور نیلے پانیوں پہ زرد پتے تیرتے رہتے تھے۔ دسمبر کی تعطیلات کا آغاز ہو چکا تھا۔ سردیاں اپنے عروج پہ تھیں اور اس موسم میں رابعہ بیگم کا سر درد ہمیشہ جاگ جایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ صبح سے سر باندھے پڑی تھیں۔ ساحرہ ہاسپٹل میں تھی ورنہ وہ کوئی میڈیسن دے دیتی تھی۔

وہ مکمل اندھیرا کیئے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں جب دروازے پہ دستک ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر اندر آنے کی اجازت دیدی۔ دروازہ کھلا پھر قدموں کی چاپ ابھری۔ بڑی ممانی !آپکے سر میں تیل لگا دوں؟ "ایک نرم سی آواز پہ" انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ سجل انکے سرہانے کھڑی تھی۔ اسکے ہاتھ میں ایک کٹوری تھی جس میں وہ غالباً تیل گرم کرکے لائی تھی .رابعہ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا مگر اٹھ بیٹھی.۔انکے انداز میں نیم رضامندی محسوس کرکے سجل جھٹ سے انکے بالوں کو پونی کی قید سے آزاد کرکے نرم ہاتھوں سے انکے سر میں نیم گرم تیل کی مالش کرنے لگی۔ اسکے نرم و ملائم ہاتھوں سے رابعہ بیگم

کو بے حد سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک انکے سر میں مالش کرتی رہی یہاں تک کہ انکو نیند آنے لگی تو وہ انکے بال باندھ کر اُٹھی اور ان کو کمبل اوڑھا کر کمرے سے چلی گئی۔ رابعہ بیگم اس وقت بہت سکون محسوس کر رہی تھیں سو جلد ہی سو گئیں اور جب شام کے وقت وہ سو کر اٹھیں تو انکے سر کا درد حیرت انگیز طور پر غائب تھا۔ انہوں نے گرم پانی سے شاور لیا اور ہال کمرے میں چلی آئیں جہاں شام کی چائے کا دور چل رہا تھا۔ وہ ناظمہ خاتون کے برابر بیٹھ گئیں۔ انکی نظریں بلاارادہ ہی سجل کیطرف گئی تھیں۔ وہ اقصیٰ سے باتیں کر رہی تھی اور اسکی بڑی بڑی سرمئی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ انہوں نے آج پہلی بار

اسے غور سے دیکھا تھا اور آج پہلی بار وہ انہیں بہت پیاری لگی تھی۔

آج صبح سے اسے کچھ فلو محسوس ہو رہا تھا سر بھی بھاری بھاری تھا اسلیئے رابعہ بیگم نے اسے آفس جانے کی بجائے آرام کرنے کی ھدایت کی تو وہ ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سر میں شدت کا درد تھا سو اسنے کھڑکی کے پردے .برابر کیئے اور بتی بجھا کر مکمل اندھیرا کرکے بستر میں گھس گیا۔

ارے۔۔ "اسے لیٹے ہوئے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہونگے" کہ ایک بے ساختہ سی "ارے" پہ وہ چونکا۔ آواز کھڑکی کے پاس

سے آئی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ہی اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا آیا اور پردے ہٹا کر باہر جھانکا۔ سجل اسکے کمرے کی کھڑکی سے تھوڑے فاصلے پر گھاس ہی ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھی ہوئی تھی اور اسنے اپنے ہاتھوں پہ ایک ننھا سا سفید خرگوش سنبھال رکھا تھا۔ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی اور شہیر اسکے چہرے پہ پھیلی تشویش دیکھ سکتا تھا۔

کیا ہوا سجل؟ "اس نے ذرا بلند آواز میں اسے پکارا تو اس نے" چونک کر گردن کو ہلکا سا خم دے کر اسکی طرف دیکھا۔

یہ ... خرگوش یہاں پڑا ہوا تھا۔ "وہ خرگوش ہاتھوں میں" سنبھالے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ "اسکی ٹانگ زخمی ہے۔

اس نے خرگوش کی پچھلی ٹانگ اسکے سامنے کی۔ ننھی سی ٹانگ پہ معمولی سا زخم تھا۔

تو کوئی دوا لگادو۔ "اس نے مشورہ دیا۔ سجل کے چہرے پہ" پریشانی تھی۔

کونسی دوا..؟ "وہ تشویش کن انداز میں زخم کا جائزہ لے رہی" تھی۔

اچھا تم رکو میں آتا ہوں۔ "اس نے تسلی دلانے والے انداز" میں کہا اور فرسٹ ایڈ باکس لیکر باہر آیا تو وہ جھیل کنارے گھاس پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ خرگوش اسکی گود میں تھا۔ وہ بھی وہیں چلا آیا۔

لاؤ مجھے دکھاؤ۔" اس نے اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے ہاتھ آگے" بڑھایا۔ سجل نے احتیاط سے خرگوش اسے تھمایا. شہیر زخم کا جائزہ لینے لگا۔

اوہ یہ تو بالکل معمولی سا زخم ہے۔ تم بلاوجہ اتنی پریشان ہورہی" ہو۔"

درد ہورہا ہوگا ناں بیچارے کو۔" وہ ذرا سا آگے جھک کر" خرگوش کو دیکھ رہی تھی۔

اچھا تم اسے پکڑو. میں اسکے زخم پہ دوا لگا دیتا ہوں۔" شہیر" نے خرگوش اسکی طرف بڑھایا اس کے ہاتھ سے خرگوش لیتے ہوئے سجل کے ہاتھ اسکے ہاتھوں سے ٹکرائے اور وہ یہ محسوس

کیئے بناء نہ رہ سکی تھی کہ اسے کافی تیز بخار تھا۔
آ..آپ کو بخار ہے؟" وہ ہکلائی۔ شہیر فرسٹ ایڈ باکس کھولے اسمیں سے کاٹن نکال رہا تھا۔
ہوں۔۔ معمولی سا۔" وہ لاپرواہی سے بول کر خرگوش کے زخم کیطرف متوجہ ہوگیا۔ اسکے ہاتھ نرمی سے زخم صاف کررہے تھے۔ مضبوط مردانہ ہاتھ جن پہ ہلکا ہلکا رواں تھا۔۔ سجل کی نظریں اسکے ہاتھوں سے ہوتی چہرے تک گئیں۔ اسکی سرخ و سفید رنگت میں آج کچھ کچھ سانولا پن تھا اور ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اسکے چہرے پہ بہت بھلی لگ رہی تھی .سیاہ آنکھیں زخم پہ مرکوز تھیں اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔۔ مگن سا انداز تھا۔

وہ بے دھیانی میں اسے دیکھے گئ۔ اسکے چمکیلے بال بے ترتیبی کیساتھ پیشانی پہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ ٹی شرٹ میں رَف سے حلیئے میں بھی وہ بے حد پر کشش نظر آرہا تھا۔

یہ لو بھئی ہوگیا زخم صاف۔ "اس نے خرگوش کی ٹانگ پہ دوا لگانے کے بعد کہا تو اسکی محویت ٹوٹی اور وہ جلدی سے خرگوش کیجانب متوجہ ہوگئ۔

اب اسکا خیال رکھنا۔ پراپر بیڈ ریسٹ کروانا۔ ڈائٹ کا خیال رکھنا" وغیرہ وغیرہ۔ "وہ فرسٹ ایڈ باکس بند کرتے ہوئے کسی ڈاکٹر کے سے انداز میں بول رہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرادی .وہ فرسٹ ایڈ باکس بند کرکے اسکی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسکی سیاہ آنکھوں

میں تیرتے گلابی ڈورے اس بات کے غماز تھے کہ اسے کافی تیز بخار تھا۔

اب میں جاتا ہوں .تم اپنے خرگوش کی تیمارداری کرو۔"وہ دوستانہ انداز میں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ ریسٹ کریں۔ کوئی میڈیسن بھی لے لیجیئے گا۔"وہ بلا ارادہ ہی بولی۔

معولی سا بخار ہے شام تک خود ہی اتر جائیگا۔"وہ ہلکی سی مسکراہٹ کیساتھ کہہ کر رہائشی عمارت کیجانب بڑھ گیا۔ وہ وہیں بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔

اور پھر شام تک شہیر کا بخار کافی تیز ہو گیا تھا۔ ساحرہ نے اسے ایک انجیکشن دیا تھا جس کے زیر اثر وہ سو گیا تھا۔ جب اسکی آنکھ کھلی تو کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ اس وقت بخار کی حدت میں کمی تھی مگر نقاہت کا یہ عالم تھا کہ اسے اٹھ کر بیٹھنے میں بھی کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے صبح کے ناشتے کے بعد سے کچھ نہ کھایا تھا۔ لہٰذا نقاہت طاری ہونا قدرتی سی بات ہے۔ کچھ دیر بعد وہ سستی سے اٹھ بیٹھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ روشن کیا۔ دیوار گیر گھڑی رات کے ڈیڑھ بجے کا پتہ دے رہی تھی۔ بخار کم ہونے کے باعث اسے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ مگر رات کے اس پہر وہ کس کو ڈسٹرب کرتا۔ مغل ہاؤس میں

رات کے دس بجے ہو کا عالم چھا جاتا ہے۔۔ اگر اسکے بعد کسی کو جاگنا بھی ہوتا تو وہ اپنے کمرے تک ہی محدود رہتا تھا۔ ہمت کر کے وہ اٹھا پیروں میں چپلیں ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ راہداری میں گہرا اندھیرا تھا۔ مگر راہداری کے اختتام پر دائیں کونے میں بنی لائبریری کے بند دروازے کی درزوں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آرہی تھی۔

شاید سجل جاگ کر پڑھ رہی ہے۔"اس نے سوچا اور دبے" قدموں لائبریری تک آیا۔ پھر دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوا۔ دروازہ بےآواز کھلا تھا۔ سامنے ہی لکھنے کی بڑی سی میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر سجل بیٹھی کچھ لکھنے

میں مصروف تھی۔ اس کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ آہٹ پر اس نے چونک کر گھمایا اور پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ۔۔"وہ اتنا ہی کہہ سکی تھی۔"

آئم سوری۔ بے وقت تکلیف دے رہا ہوں۔"وہ ندامت بھرے" انداز میں بولا۔ اتنی سی دیر ہی کھڑے رہنے سے اسکی ہمت جواب دینے لگی تھی۔

آپکی طعبیت ٹھیک نہیں ہے آپکو اس طرح سوئیٹر پہنے بغیر" کمرے سے باہر نہیں آنا چاہیئے تھا۔"سجل نے فکر مندی سے کہا تھا۔

یار مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ میں اسی لیئے کمرے سے"

باہر آیا تھا۔ لائبریری میں روشنی دیکھی تو سوچا تم سے ہیلپ لے لوں۔ "اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔" ویسے کوکنگ مجھے خود بھی آتی ہے لیکن اسوقت مجھے کھڑے ہوتے ہوئے بھی نقاہت محسوس ہورہی ہے۔"

کیا کھائیں گے آپ؟ "اس نے سنجیدہ سیے انداز میں پوچھا۔"

ہو۔ "اس نے available کچھ بھی۔۔۔ جو بھی اس وقت" شانے اچکا کر جواب دیا۔

میں نے اور اقصیٰ نے پیزا بنایا تھا شام کو ۔۔۔ وہ گرم کردوں" یا۔۔۔ جو بھی آپ کہیں بنا دیتی ہوں۔"

پیزا ہی ٹھیک ہے۔ تمہیں زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ "وہ"

جلدی سے بولا۔

"اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اپنے کمرے میں جائیے۔ یہاں کافی ٹھنڈ ہے۔ میں پیزا آپکے کمرے میں ہی پہنچا دوں گی۔" سجل آج پہلی بار اسکے ساتھ لمبی بات کر رہی تھی اور شاید اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ بیمار تھا اور وہ صدا کی کیئرنگ۔۔۔

وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اسے واقعی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ہیٹر آن کیا اور اسکے قریب ہی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ کئی سال بیرون ملک گزارنے کے باعث وہ کافی سیلف میڈ قسم کا بندہ تھا۔ عام طور پر گھر میں بھی اس نے کبھی چائے یا کافی پینی ہوتی تو خود ہی بنا لیا کرتا۔ مگر نجانے کیوں جب

سے سجل آئی تھی وہ اکثر اسے وقت بے وقت چائے کا کہہ دیتا تھا۔ حالانکہ اس کی بنائی ہوئی چائے اتنی میٹھی ضرور ہوتی تھی کہ وہ کبھی بھی ایسی چائے گوارہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اسے پھر بھی اس کو چائے کیلیئے کہنا اچھا لگتا تھا۔ اور اس وقت اسے جاگتا دیکھ کر وہ اپنا مدعا لیئے اسی کے پاس چلاگیا تھا۔۔۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ آرام کرسی پہ آنکھیں بند کیئے نیم دراز رہا۔ دروازے پہ ہلکی سی آہٹ ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ہاتھ میں ایک ٹرے سنبھالے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

تھینکس یار۔۔۔ بے وقت تمہیں تکلیف دی۔ "اس نے زرا"

شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔

کوئی بات نہیں۔ "وہ اپنے مخصوص مدھم اور شریں لہجے میں" بولی تھی۔ اس نے تپائی شہیر کے سامنے رکھی اور ٹرے اس پہ رکھ دی۔ ٹرے میں پیزا کے ساتھ کافی کا مگ بھی رکھا تھا۔ شہیر کو اس وقت واقعی کافی کی طلب محسوس ہورہی تھی۔

اور کچھ چاہیئے؟ "وہ ٹرے رکھنے کے بعد اب مؤدب سے انداز" میں کھڑی تھی۔ شہیر نے اسکی طرف دیکھا۔ ہلکے آسمانی رنگ کے سادہ سے شلوار قمیض پہ سفید سوئیٹر پہنے سفید رنگ کی شال سر اور کاندھوں پہ اوڑھے وہ رات کے اس پہر بھی کافی فریش فریش دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ دیر قبل وہ لائبریری میں گیا تھا تب

اسنے شال کو کندھوں کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ اور اسکے لمبے بال جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے تھے۔ شہیر نے اسے بہت کم ننگے سر دیکھا تھا۔ اگر کبھی اچانک شہیر یا سعد میں سے کوئی سامنے آجاتا تو وہ بے اختیار سر ڈھانپ لیتی تھی۔ اور اسکا یہ انداز شہیر کو بہت انوکھا اور اچھوتا سا لگتا تھا۔

نہیں شکریہ۔ "وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

آپکا بخار اتر گیا ہے؟ "وہ آج ازخود اس سے بات کررہی تھی" شہیر کو نجانے کیوں اسا کنسرنڈ سا انداز اچھا لگا تھا۔

اب کم ہے۔ "اس نے کافی کا مگ اٹھالیا۔ "بیٹھ جاؤ کھڑی "کیوں ہو؟

نہیں۔ میں چلتی ہوں۔ آپ ریسٹ کریں۔ "وہ بولتے ہوئے پلٹی۔

"تمہارا rabbit کیسا ہے؟" نجانے کیوں شہیر کا دل چاہا تھا وہ رک جائے تبھی بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ وہ پلٹی۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے اور اقصیٰ نے اس کیلیئے برآمدے میں ایک چھوٹا سا گھر بنادیا ہے وہاں وہ سردی سے محفوظ رہے گا۔"

سجل نے اسے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"ویری گڈ۔" اس نے سر ہلایا۔ اور مگ رکھ کر پیزا کا سلائس اٹھا لیا۔ "I can't eat alone" تم بھی لو۔"

اس نے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اس نے سہولت سے انکار کر دیا اور پھر جانے کو پلٹی۔

پیزہ مزے کا ہے۔ تم نے بنایا ہے ناں؟ "وہ دروازے تک پہنچی

ہی تھی کہ اس نے پھر اسے پکارا۔ وہ رک کر پلٹی۔

"جی میں نے اور اقصیٰ نے۔"

"بہت tasty ہے۔"

شکریہ۔ "وہ بولی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ سائیڈ ٹیبل تک گئی اور

اس پر پڑی دوائیوں میں سے ایک اٹھالی۔

یہ میڈیسن آپ ابھی لے لیجیئے گا۔ ساحرہ آپی آپکو انجیکشن

دینے کے بعد بڑی ممانی سے کہہ گئی تھیں۔ مگر تب تک آپ سو

چکے تھے۔ "اس نے پلٹ کر اسکی طرف آ کر میڈیسن اس کی

طرف بڑھا دی۔ شہیر نے میڈیسن اسکے ہاتھ سے لے لی۔ سجل آج پہلے کے مقابلے میں کافی بدلی بدلی اور پر اعتماد نظر آرہی تھی۔ مگر اسکا نظر جھکا کر بات کرنے کا انداز وہی تھا۔

تھینک یو فار یور کنسرن سجل۔ یو آر ویری ہمبل اینڈ نائس۔ اب آپ جا کر سو جاؤ، رات بہت ہو گئی ہے۔" وہ مسکرا کر نرم لہجے میں بولا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا۔ اس سمے سجل کو وہ بہت اچھا اور اپنا اپنا سا لگا تھا۔

آپ بھی ریسٹ کریں۔ اللہ حافظ۔ "وہ مدھم آواز میں جواب دے کر کمرے سے چلی گئی۔

اللہ حافظ۔ "شہیر زیر لب بڑبڑا کر دھیرے سے مسکرا دیا اور

پھر مگ اٹھا کر کافی کی ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ اور اپنے کمرے میں اپنے بستر پر لیٹی سجل کی سماعتوں میں نرم لہجے میں کہے گئے چند الفاظ گونج رہے تھے۔ "یو آر ویری ہمبل اینڈ نائس۔" کتنے سادہ سے جملے تھے۔ مگر سجل کو نجانے کیوں بہت ہی خاص لگے تھے۔ وہ بلاارادہ ہی ان سیاہ آنکھوں کے متعلق سوچ گئ تھی۔

شہیر کا بخار تیسرے دن اترا تھا، اور اس رات کے بعد سجل سے اسکا سامنا نہ ہوا تھا۔ گھر کے تقریبا تمام ہی افراد اسکی
نازبرادریوں میں مصروف تھے۔ مگر سجل اس کا حال پوچھنے بھی

نہ آئی تھی۔ ساحرہ صبح شام اسے چیک کرنے آتی اور دوا کے متعلق ہدایات دے کر جاتی۔ مگر وہ غیر شعوری طور پر سجل کا منتظر تھا۔ وہ دیدہ و دانستہ اپنے کمرے سے نہ نکلتا تھا کہ شاید اسکی طبعیت کے متعلق تشویش کا شکار ہو کر وہ اسے پوچھنے چلی آئے۔ مگر اسکو نہ آنا تھا نہ وہ آئی۔ اور پانچ دن بستر پر پڑے رہنے کے بعد بالاخر وہ اگلی صبح فجر کی نماز پڑھنے مسجد پہنچ گیا تھا۔ سردی عروج پہ تھی اور دھند کا یہ عالم تھا کہ تھوڑے فاصلے فاصلے پہ بھی کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ نماز کے بعد بھی کچھ دیر مسجد میں ہی بیٹھا رہا تھا۔ صبح صادق کے ان سرد ترین لمحوں میں اللہ کے گھر کے اندر ایک سکون تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے سر

گھٹنوں میں دیئے بیٹھا رہا اور جب وہ مسجد سے باہر نکلا تب پو پھوٹ چکی تھی لیکن دھند ہنوز برقرار تھی۔ سورج نکلنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سست قدموں سے چلتا ہوا مغل ہاؤس پہنچا اور طویل روش طے کرنے لگا۔ کچھ تو نقاہت تھی اور کچھ ایک بے نام سی اداسی کا اثر تھا کہ وہ صبح کے اس حسین منظر کو نظر انداز کیئے ہوئے برآمدے کی جانب بڑھ گیا۔

اسلام علیکم۔" ایک مدھم سی آواز پہ وہ رک کر پلٹا۔ اس سرد" صبح میں وہ رو پہلی کرن کی طرح نکھری نکھری سی اس سے زرا فاصلے پر کھڑی تھی۔ براؤن شال کے ہالے میں اسکا خوبصورت

چہرہ بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

وعلیکم اسلام۔ "وہ جوابا بولا۔"

آپکی طعبیت کیسی ہے اب؟ "وہ نرم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔"

آئم فائن۔ "بے حد خشک لہجے میں اسے جواب دے کر اس" نے برآمدوں کی زینوں کی جانب قدم بڑھا دیا۔ اس وقت اسکا سجل کے ساتھ کسی قسم کی مروت برتنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

آپ چائے پئیں گے؟ "اس نے عقب سے پوچھا تھا۔ شہیر" رک گیا۔ ایک پاوں برآمدے کے اسٹیپ پہ رکھے اس نے زرا کی گردن موڑ کر کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھا۔

نو تھینکس۔ "گردن گھما کر سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ"

جوابا رکھائی سے بولا۔
لیکن آپ کو تو اس وقت چائے پینا اچھا لگتا ہے۔" وہ جلدی" سے بولی تھی۔
سجل بی بی میری پسند نا پسند کے متعلو قیاس آرائیاں کرنے کی" آپکو کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ پلٹ کر تلخ لہجے میں بولا۔
اور جہاں تک بات ہے چائے کی تو مجھے اپنے کام خود کرنے کی" عادت ہے۔ لہٰذا آپ کو میرے لیئے زحمت میں پڑنے ضرورت نہیں ہے۔"ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ کر وہ رکا نہیں تھا بلکہ تیزی سے .برآمدہ پار کر کے گھر کے اندر چلا گیا تھا۔ اور اس دھند بھری صبح میں .برآمدے کے اسٹیپ کے پاس کھڑی سجل کا

چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا۔ سرمئ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

وہ اس کو بری طرح جھڑک کر آیا تھا مگر اب اس کے دل کو پیشمانی کا احساس گھیرنے لگا تھا۔ وہ ناشتے کی میز پر آئی تو اس نے بغور اسکی طرف دیکھا تھا۔ وہ معمول سے زیادہ سنجیدہ اور چپ چپ نظر آرہی تھی۔ سرمئ آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی اور آنکھوں کی کوریں کچھ متورم سی تھی۔ ہونٹوں کا کٹاو فی الوقت سمٹ کر صرف اداسی کا مظہر تھا۔ شاید وہ روتی رہی تھی۔ شہیر کے دل کو عجیب سی بے چینی نے آ لیا۔ وہ ناشتے کے بعد وہ

دفتر چلا آیا۔ مگر سارا دن اسکا دھیان کام میں نہ لگا تھا۔ شام کو گھر آنے کی بجائے وہ دوستوں کی طرف چلا گیا۔ مگر دھیان اسکی روئی روئی آنکھوں سے نہ ہٹ سکا تھا۔ گھر واپسی قدرے دیر سے ہوئی اور سونے سے پہلے وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ صبح سجل سے اپنے رویے کی معافی مانگ لے گا۔ لیکن اگلے روز وہ اسے صبح لان میں نظر نہ آئی تھی۔ وہ اسکی تلاش میں کچن میں چلا آیا مگر وہ وہاں بھی نہ تھی۔ وہ مایوس سا ہو کر پلٹ آیا تھا۔ پھر اگلا تین دن تک وہ اسے صبح کے وقت جھیل پر یا کچن میں نہ نظر آئی تھی۔ ناشتے کی میز پہ بھی کبھی آتی اور کبھی نہیں۔ اس نے رات دیر تک لائبریری میں بیٹھ کر پڑھنا بھی ترک کر دیا تھا۔

شام کی چائے بھی وہ اپنے کمرے میں منگوانے لگی تھی۔ شہیر کو اب اپنے رویے پہ شدت سے افسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے سجل کے پر خلوص رویے کا بری طرح جواب دیا تھا۔ جس کے باعث وہ یقیناً بہت زیادہ ہرٹ ہوئی تھی۔ دوسری جانب سجل اس روز کے شہیر کے رویے کے بعد سے جیسے پھر سے اپنے خول میں بند ہوگئ تھی۔ اپنی کم مائیگی کا احساس پھر سے اس پہ حاوی رویے کی وجہ سے وہ sympathetic ہونے لگا تھا۔ شہیر کے اس سے مانوس ہو چلی تھی۔ مگر اسکی اس روز کی بے اعتنائی سے اسے بہت دکھ پہنچا تھا۔ وہ شہیر سے کترانے لگی تھی۔ بے اعتباریوں میں گھرا اس کا دل سہم سا گیا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتی

تھی کہ کہیں پھر سامنا ہونے پر وہ دوبارہ اسی تلخ لہجے میں بات نہ کر ڈالے۔ اقصیٰ اسکے رویے پہ حیران تھی اور کئی بار اس سے پوچھ چکی تھی کہ آخر اسے ہوا کیا ہے؟ مگر سجل اسے پڑھائی کی ٹینشن کا کہہ کر ٹال گئی تھی۔

شہیر فجر کی نماز پڑھ کر باہر نکلا تو اجالا اچھی طرح پھیل چکا تھا۔ فضا پرندوں کے شور سے گونج رہی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا مگر مشرقی افق پہ شوخ رنگ لہریئے ابھر رہے تھے۔ کئی روز بعد دھند میں کمی واقع ہوئی تھی اور نیلا آسمان بہت نکھرا نکھرا لگ رہا

تھا۔ سردی کی شدت ہنوز برقرار تھی۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سست قدموں سے چل رہا تھا۔ مسجد سے نکل کر مغل ہاؤس تک راستے میں ایک طویل سڑک تھی، جس کے دائیں بائیں فارم ہاؤسز تھے۔ دور دور تک پھیلا سبزہ آنکھوں کو تراوٹ بخشتا تھا۔ شہیر نے ایک جگہ رک کر گہری سانسیں لیں اور پھر رننگ کرنے لگا۔ یہ اسکا معمول تھا۔ امریکہ میں اس نے باقاعدہ جم جوائن کر رکھا تھا پر یہاں پر خود کو فٹ رکھنے کیلیئے صبح شام اس طویل اور سنسان سڑک پر رننگ کرتا تھا۔

جس وقت وہ مغل ہاؤس کا پھاٹک پار کر رہا تھا تب تک سورج کی رو پہلی کرنیں زمین پر اپنا تسلط جما چکی تھی۔ وہ طویل روش

پہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر بے اختیار ٹھٹھک گیا۔
جھیل کے کنارے وہ بلاشبہ وہ سجل تھی۔ وہ بے تابی سے اسکی طرف بڑھا۔
سجل۔۔۔۔ "اس کے عین عقب میں پہنچ کر اس نے اسے پکارا" تو وہ جو کھڑی انہماک سے جھیل کے پانی پر تیرتے خشک پتوں کو دیکھ رہی تھی، بے طرح چونک کر پلٹی اور پھر اسکا یوں لڑکھڑانا اسے جھیل میں ہی گرا دیتا اگر شہیر اسے بازو سے تھام نہ لیتا۔
آر یو اوکے سجل۔ "شہیر نے فکرمندی سے بغور اسکے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
جی۔ "وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ اسکا بازو ابھی بھی شہیر کی

مضبوط گرفت میں تھا اور وہ اسکے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اسکے ملبوس سے اٹھتی قیمتی کلون کی مہک اسکے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ کیسا جادوئی لمحہ تھا ...اور وہ دونوں ہی اس لمحے کے سحر میں مقید ہوگئے تھے۔ سب سے پہلے اس سے پہلے اس محویت سے سجل چونکی تھی۔ اس نے بہت غیر محسوس طور پر اپنا بازو شہیر کی گرفت سے چھڑوایا اور جانے کیلیئے قدم بڑھائے۔

سجل۔۔۔ "شہیر نے پلٹ کر اسے پکارا۔ وہ رک گئ مگر پلٹی" نہیں۔ اسکا دوپٹہ بائیں شانے پر پڑا زمین کو چھو رہا تھا۔ شہیر نے دیکھا اسکے براون بال پونی میں بندھے پشت پہ لہرا رہے تھے۔ بس ایک لمحے کی بات تھی اگلے ہی لمحے سجل نے اپنے دوپٹے کو

اپنے گرد لپیٹ لیا ۔لمبے بال چھپ گئے تھے۔ شہیر اپنی محویت سے چونکا۔

میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتا تھا۔ "وہ کھنکھار کر بولا تو وہ پلٹی۔" آنکھوں میں حیرت واضح تھی۔

لیکن کیوں؟ "اس نے پوچھا۔"

اس دن میں نے تمہارے ساتھ کافی بدتمیزی سے بات کی" تھی۔ تمہیں ہرٹ کیا تھا، اسلیئے سوری۔"وہ نارمل سے انداز میں بول رہا تھا مگر سجل کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں آنیوالا وہ پہلا انسان تھا جو اسے ہرٹ کرنے کے بعد اپنے رویے کی معافی بھی مانگ رہا تھا۔ سجل کی حیرت لازمی

تھی۔

کوئی بات نہیں۔ "وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولی تھی۔"

تو کیا تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟ "ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے"
شہیر نے بے تابی سے پوچھا۔

نہیں۔ "اس نے سر جھکا کر کہا۔ دل اِک انوکھی لے پہ"
دھڑکنے لگا تھا۔

تھینک گاڈ .. میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھ سے بہت خفا ہو تبھی"
"جھیل پہ بھی نہیں آرہی اتنے دنوں سے۔

نہیں وہ پچھلے دنوں بہت دھند پڑتی رہی اسلیئے نہیں آرہی"
تھی۔ "اس نے دانستہ جھوٹ بولا۔

اچھا۔ تمہارا خرگوش کیسا ہے؟" وہ اسکے من موہنے چہرے کو کچھ دیر مزید تکنا چاہتا تھا اسی لیئے گفتگو کو طول دے رہا تھا۔

"اسکا زخم تو ٹھیک ہوگیا تھا لیکن وہ کہیں چلا گیا ہے۔"

"اوہ .. لیکن تم نے اسے جانے کیوں دیا؟"

وہ آزاد مخلوق تھا میں اسے کیسے روک سکتی تھی۔ "اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ سورج کی رو پہلی شعاعیں عین اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ اسکے چہرے کی سنہری رنگت میں ہلکی سرخی کی آمیزش تھی اور نیلی آنکھیں کانچ کیطرح چمک رہی تھیں۔

"محبت سے۔۔ "بے اختیار ہی شہیر کے لبوں سے پھسلا تھا۔ ایک"

لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں۔ شہیر کی سیاہ آنکھوں میں امید کے دیئے جل رہے تھے , کتنا کچھ کہہ رہی تھیں وہ آنکھیں اس سمے .. سجل نے نظریں جھکا لیں۔ ان آنکھوں کا سامنا کرنا اسکے لیئے بڑا مشکل تھا۔

محبت کا مطلب قید نہیں ہوتا۔ "اسکے لہجے میں ہلکی سی تنبیہہ" تھی۔

"محبت میں تو قید بھی آزادی لگتی ہے۔"

صرف قید کرنا ہو وہ محبت نہیں جنون ہوتا aim جس محبت کا" ہے۔ "وہ اب بحث پر آمادہ ہو گئ تھی۔

جنون اور محبت میں فرق ہوتا ہے سجل۔ جنون، حاصل کر لینے"

سے ختم ہو جاتا ہے جبکہ محبت کی شدت قرب اور ہجر دونوں میں یکساں رہتی ہے۔" وہ اپنے مخصوص قائل کر لینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تو محبوب کو صرف خود تک محدود کر لینے کی خواہش تو جنون ہی ہوا ناں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھی۔ میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ محبت میں اتنی شدت ہونی چاہیئے کہ محبوب کہیں جا ہی نہ سکے لیکن خیر چھوڑو تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکتی۔ جب تم محبت کرو گی تب سمجھو گی محبت اور جنون کا فرق۔" اس نے زرا سا مسکرا کر جیسے بحث کا اختتام کیا تھا۔ سجل نے عجیب سی نظروں

سے اسکی طرف دیکھا۔ ایک کرخت سی آواز اسکی سماعتوں میں گونجی تھی۔

آخر ہے ناں بدکردار ماں کی بیٹی۔۔۔ "لمحوں کا طلسم جیسے پل بھر میں ٹوٹا تھا۔ وہ اچانک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

مجھے محبت نہیں ہو سکتی۔ "وہ اچانک بہت ہی غصیلے لہجے میں بولی۔

کیوں؟ محبت تو کسی سے بھی کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ "وہ اسکے لہجے کا نوٹس لیئے بغور بولا تھا۔

لیکن مجھے کسی سے بھی نہیں ہو سکتی۔ "وہ ایک ایک لفظ چبا کر

بولتے ہوئے جانے کو پلٹی تھی۔ شہیر تیزی سے دو قدم کا فاصلہ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

یہ ممکن بھی تو ہے ناں سجل۔۔۔۔ محبت ہو جانا بھی تو ممکن ہے۔" وہ عجیب سی کیفیات میں گھرا اس سے کہہ رہا تھا۔ دل پہ اچانک ہی انکشاف محبت کسی الہام کی صورت اترا تھا۔ سجل نے اپنی لمبی پلکیں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ شہزادوں کی سی آن بان والا بندہ اپنی سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا چمک لیئے اسکی جانب تک رہا تھا۔ ان کہی محبت ایک کھلی حقیقت کی طرح دونوں کے درمیان سانس لے رہی تھی۔ سجل نے اپنے دل کو اس محبت کے بھنور میں ڈوبتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ اور قریب

تھا کہ وہ اس انوکھے جذبے میں کھو جاتی ساحرہ کا تصور اسکے اور شہیر کے درمیان حائل ہوگیا۔

"میں عمومیت کے اسی سیلاب میں بہہ گئی تھی جس میں اکثر لوگ بہہ جاتے ہیں۔۔۔ مگر تم ایسا نہیں کرنا سجل۔"اسکی سماعتوں میں سطوت کی آواز گونجی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"تیری چڑیل ماں نے ایسا الو بنایا تھا میرے بیٹے کو کہ بچپن کی منگنی پل بھر میں توڑ بیٹھا تھا۔"یہ اسکی دادی کی آواز تھی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔"وہ رکھائی سے اسے جواب دے کر تقریباً دوڑتے ہوئے گھر کے اندر چلی گئی تھی اور اس نکھری نکھری صبح

میں جھیل کنارے وہ حیران سا کھڑا رہ گیا۔ اسکی سیاہ آنکھوں میں جلتے دیئے مدھم پڑ گئے تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ اقصیٰ بے خبر سو رہی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کاؤچ پہ جا بیٹھی۔ شہیر کی بہت کچھ کہتی نگاہیں اور اسکا دل نشین لہجہ اسکے دل میں اتر گیا تھا۔۔ مگر وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔۔۔اسے غاصب نہیں بننا تھا۔ شہیر سے محبت ایک حقیقت تھی مگر وہ اسکا اعتراف کیسے کرلیتی۔ وہ کیسے ایک ایسے شخص سے محبت کا اعتراف کرلیتی جو

کسی اور سے منسوب تھا۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔
اسکے دل میں شہیر کی محبت نے کب جنم لیا تھا اسے خبر نہ ہوئی تھی۔ مگر جب احساس ہوا تب تک وہ محبت اسکے دل میں پوری طرح پنجے گاڑ چکی تھی۔ وہ سوفٹ اسپوکن بندہ جو پہلے دن سے اسکے ساتھ نرمی سے پیش آتا تھا۔ جانے کب اسکے دل میں گھر کر گیا تھا۔۔ وہ جان ہی نہ سکی تھی۔۔ اسے محبت نہیں کرنی تھی۔۔۔ کسی سے بھی نہیں۔۔۔ اس نے جیسے اپنے دل کو تالا لگا رکھا تھا۔۔۔ مگر شہیر تو دبے قدموں چلا آیا تھا۔۔۔ وہ مزاحمت بھی نہ کر سکی تھی۔ ایک آنسو سجل کی آنکھ سے ٹوٹ کر گرا۔ اسکے دل کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی۔

"سجل ! تم کیا سارا دن منہ لپیٹے پڑی ہو۔ کچھ ہوش بھی ہے کہ تمہیں آج نیو ائیر نائٹ ہے۔" وہ کمرے میں اندھیرا کیئے بیٹھی تھی جب اقصیٰ نے آ کر لائٹ جلا دی۔

"مجھے پتہ ہے تم پلیز لائٹ آف کردو۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"ہوا کیا ہے تمہیں؟" اقصی نے بغور اسکی طرف دیکھا۔ اسکا چہرہ ستا ہوا تھا اور بال الجھے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ بس سر میں تھوڑا سا درد ہے۔" اسکا انداز ٹالنے

والا تھا۔

تو یوں بور شکل بنا کر اندھیرے میں بیٹھی رہو گی تو سر میں درد ہی ہوگا ناں۔ چلو اٹھو جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ آج ڈنر باہر کریں گے اور خوب ہلا گلا کریں گے۔ "اقصیٰ وارڈروب کھولتے ہوئے بول رہی تھی۔

میرا موڈ نہیں ہے۔تم لوگ جاؤ۔ "وہ کسلمندی سے کہہ کر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

سجل کیا تکلیف ہے تمہیں۔ اٹھو ناں۔۔۔آج نیو ائیر نائٹ ہے اور تم یوں منہ بنا کر بیٹھی ہوئی ہو۔ "اقصیٰ نے پلٹ کر کہا تھا۔وہ کچھ نہ بولی .تو اقصیٰ آگ بگولا ہوتے ہوئے اسکے پاس

"نہیں کر سکتی۔ spoil آگئی . "اٹھو اچھا۔۔۔ آج کا پلان تم یوں
اس نے غصے سے اسکی کلائی آنکھوں سے ہٹائی تھی

اقصیٰ۔۔۔ میرا دل بلکل بھی نہیں کر رہا کہیں جانے کو۔ "وہ"
سستی سے کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

تم باہر نکلو گی تو بلکل فریش ہو جاو گی۔ پلیز اٹھو ناں۔ میری"
پیاری بہن ہو ناں پلیز۔۔ "اقصیٰ منت کرنے کے سے انداز میں
بولی تھی۔ اسے ناچار اٹھنا ہی پڑا تھا۔

وہ دونوں تیار ہو کر باہر آئیں تو پورچ میں شہیر کی سیاہ ٹیوٹا کرولا

میں سعد اور شہیر کیساتھ ساحرہ بھی موجود تھی۔
شکر ہے آگئی تم لوگ۔ "سعد ان دونوں کو آتے دیکھ کر باآواز" بلند بولا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شہیر نے گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ آف وائٹ کھلی سی شلوار پہ پرپل کلر کی شارٹ شرٹ کیساتھ اسنے آف وائٹ ہی لانگ سویٹر پہن رکھا تھا۔ سر پہ آف وائٹ حجاب لپیٹ کر اس نے سیاہ رنگ کی گرم شال کو شانوں پہ ڈالا ہوا تھا۔ پاؤں میں سیاہ کھسے تھے جس میں اسکے دودھیا پاؤں دمک رہے تھے۔ چہرے پہ پھیلی اداسی اسکے حسن کو عجیب سی کشش بخش رہے تھے۔ شہیر کی گہری نظروں سے اس کا دل دھڑکا تھا لیکن وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی

کوشش کرتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ساحرہ کے برابر بیٹھ گئی۔ اقصیٰ بھی اسکے ساتھ بیٹھ گئی۔ سعد اگلی سیٹ پہ شہیر کے برابر تھا۔ انکے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی۔ سعد نے میوزک آن کردیا۔ اقصیٰ بہت بول رہی تھی شہیر اور سعد بھی ہنسی مذاق کے موڈ میں تھے آج تو ریزروڈ سی ساحرہ بھی کافی خوشگوار موڈ میں تھی۔ ان سب کے درمیان ایک وہی تھی جو بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ سعد اور اقصیٰ نے ایک دوبار اسے مخاطب بھی کیا مگر وہ ہوں ہاں میں ٹال گئی۔ گاڑی سنسان سڑکوں پہ نارمل سپیڈ کیساتھ دوڑ رہی تھی اور تیز میوزک کے شور میں ان سب کی آوازیں مدغم ہورہی تھیں۔ ابھی صرف نو

ہی بجے تھے اور ان سب کا رات ایک بجے تک آوارہ گردی کرنے کا ارادہ تھا۔ سب سے پہلے وہ لوگ لیک ویو چلے آئے جسے نیو ائیر کی مناسبت سے سجایا گیا تھا۔ ہر سو رنگ و نور کی برسات تھی۔ شدید سردی کے باوجود بھی یہاں انسانوں کا ایک ہجوم مختلف تفریحات میں مشغول نظر آرہا تھا۔ سعد ہارس رائیڈنگ کرنا چاہتا تھا مگر اسکا اصرار تھا کہ شہیر بھی اسکا ساتھ دے۔ وہ ان سب کو آپس میں محو گفتگو دیکھ کر دائیں جانب مڑ گئی۔ درختوں کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ وہ ایک بینچ پہ بیٹھ گئی۔

سجل۔۔۔ تم یہاں بیٹھی ہو۔ سعد اور شہیر بھائی ہارس" رائیڈنگ کر رہے ہیں۔ چلو ناں میں اور تم بھی گھوڑے پہ

بیٹھتے ہیں۔" اقصیٰ چند لمحوں بعد اس کے سر پہ موجود تھی۔
نہیں مجھے گھوڑے سے ڈر لگتا ہے۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔"
یار ڈر تو مجھے بھی لگتا ہے لیکن ایڈوینچر ہی سہی۔" اقصیٰ اسکے"
برابر ہی بیٹھ گئی۔.

رہنے دو ایڈوینچرز کو۔" وہ ہاتھ ہلا کر بے زاری سے بولی۔"
اچھا ایٹ لیسٹ سب کے ساتھ ساتھ تو رکو ناں۔ شیری بھیا"
بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔ چلو۔" اقصیٰ اٹھ کر اسکا ہاتھ پکڑ کر
کھینچتے ہوئے بولی تو وہ ایک طویل سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
اسی لمحے سامنے سے سعد شہیر اور ساحرہ انہی کی طرف آتے
دکھائی دیئے تھے۔

"ارے سجل تم ادھر کورنر میں کیوں چھپی بیٹھی ہو۔ ہم یہاں نیو ائیر نائٹ سیلیبریٹ کرنے آئے ہیں۔" سعد حسب عادت مسلسل بولتے ہوئے انکے قریب آ کر رک گیا۔

"آپ لوگ انجوائے کریں سعد بھائی۔ مجھے زیادہ ہلا گلا پسند نہیں ہے۔" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ شہیر نے اچٹتی سی نظر اس پہ ڈالی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اسکی پسند تو دنیا سے نرالی ہے۔" اقصیٰ منہ بنا کر بولی۔ "چلو سعدی تم میری اور سجل کی پیکچر لو۔" اقصیٰ نے اپنا سیل فون سعد کی طرف بڑھایا اور اسکا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک روشن گوشے کی طرف لے آئی۔ کچھ تصویریں بنوانے کے بعد وہ تینوں

شہیر اور ساحرہ کے پاس چلے آئے۔

بھوک لگ رہی ہے یار۔ "سعد نے بنچ پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔"

راول ڈیرہ میں کھانا کھاتے ہیں۔ "اقصیٰ نے لیک ویو کے سب" سے معیاری ڈھابے کا نام لیا تھا۔

آل رائٹ۔۔۔۔ چلو۔ "شہیر نے قدم آ گے بڑھائے تو وہ سب" بھی اسکے پیچھے ہو لیئے۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

شہیر کے نارمل سے رویے کے باعث سجل کی گھبراہٹ بھی کچھ کم ہو گئی تھی اور وہ اب اقصیٰ اور سعد کی نوک جھوک کو انجوائے کر رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ لوگ ایک بار پھر گاڑی میں سوار ہو کر سڑکیں ناپتے پھر رہے تھے۔

"اب کدھر چلیں۔" کافی دیر ادھر ادھر گاڑی گھماتے رہنے کے بعد شہیر نے سوال کیا۔

"سجل تم بتاو۔" اقصی نے اسے کہنی ماری۔

"پتہ نہیں۔ ساحرہ آپی سے پوچھ لو۔" اس نے اپنے برابر بیٹھی ساحرہ کی طرف دیکھا۔

"آئی تھنک centaurus چلتے ہیں۔ بارہ بجے وہاں بہت زبردست آتشبازی کی جائے گی۔" ساحرہ نے جواب دیا۔

اس وقت انکی گاڑی بلیو ایریا کی بھری پری اور روشن سڑکوں پہ دوڑ رہی تھی۔ شہیر نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی۔ اور کچھ دیر بعد وہ centaurus میں داخل ہورہے تھے۔ گراونڈ فلور کو پرپل اور

آف وائٹ کلر کے غباروں سے سجایا گیا تھا۔ شہیر کی نظر بے اختیار ہی سجل کی طرف گئی تھی۔ ان تیز روشنیوں میں اسکا چہرہ بے حد حسین نظر آ رہا تھا۔ گراونڈ فلور کا چکر لگانے کے بعد وہ سب fountain کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔

چلو سیکنڈ فلور پر چلتے ہیں۔ "اقصیٰ نے سعد سے کہا تو وہ فورا" تیار ہو گیا۔

چلو سجل۔۔آپ بھی چلیں شیری بھیا۔ "اقصیٰ نے ان دونوں" کی طرف دیکھا۔

نہیں یار۔ تم لوگ جاؤ۔ میں بس یہیں ٹھیک ہوں۔ "سجل نے" سہولت سے انکار کر دیا۔

"ہاں تم دونوں جاؤ گھومو پھرو۔ ہم لوگ یہیں پہ رکتے ہیں۔"

شہیر نے ایک نظر سجل پہ ڈالتے ہوئے خوشدلی سے کہا تھا۔

آپ چلیں گی ساحرہ آپی؟ "اقصیٰ نے ساحرہ کیطرف دیکھا۔"

نو .. تم لوگ جاؤ انجوائے کرو۔ "ساحرہ مسکرا کر بولی۔"

آل رائٹ بھئی آپ لوگوں کی مرضی۔ چلو سعدی۔ "اقصیٰ نے"

کیجانب بڑھ elevator کندھے اچکا کر کہا پھر وہ سعد کے ہمراہ گئی۔

۔مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ "ساحرہ نے شہیر سے کہا۔

شیور۔ "شہیر مسکرایا۔"

میں چلوں آپکے ساتھ۔ "وہ جلدی سے بولی۔ وہ شہیر کیساتھ"

ادھر اکیلے نہیں رکنا چاہتی تھی۔
نو پلیز۔ میں شاپنگ تنہا کرنے کی عادی ہوں۔ "ساحرہ نے اپنے مخصوص فارمل لہجے میں کہا۔ "تم لوگ انجوائے کرو میں تم لوگوں کو جوائن کرتی ہوں کچھ دیر تک۔ "وہ اپنا اسٹائلش سا بیگ بازو پہ ڈالے باوقار چال چلتی دائیں جانب مڑ گئی۔ سجل نے چہرے پہ واضح مایوسی پھیلی تھی۔ اسے اب سعد اور اقصیٰ کیساتھ نہ جانے پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ گہری سانس بھر کر وہ پلٹی تو شہیر کے ہونٹوں پہ بڑی محظوظ ہونیوالی مسکراہٹ دیکھ کر اسکا دل جل گیا۔ وہ مسکراتا ہوا پلٹ کر صوفے پہ بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ خود کو اسکی موجودگی سے بالکل لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش

میں مڑ کر فاؤنٹیں میں گرتے پانیوں کیطرف متوجہ ہو گئی۔ تیز روشنیوں کا عکس پانی کے ایک اک قطرہ کو جگمگا رہا تھا۔

کیا مجھ سے بات کرنے پہ پابندی ہے محترمہ سجل نوید؟ "چند لمحوں بعد وہ عین اسکے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔

میں نے ایسا کب کہا؟ "اس نے پلٹے بغیر جواب دیا۔"

"کہا تو نہیں مگر رویہ بھی بہت کچھ ظاہر کر دیتا ہے۔"

"میرا رویہ بالکل نارمل ہے. میں ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہوں۔" وہ پلٹتے ہوئے ہموار لہجے میں بولی۔

"تم صبح والی بات پہ خفا ہو۔"

جی نہیں آپکو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ کہہ کر فاؤنٹین کے پاس"

سے ہٹ آئی۔

تو پھر اس وقت اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کیا تھا تم نے اور اب" تک منہ کیوں پھلا رکھا ہے۔" وہ مصر ہوا۔ سجل صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ اسکے سر پہ آکھڑا ہوا تھا۔ اسنے تیکھی نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

آپ مجھے اکیلا چھوڑ سکتے ہیں پلیز۔" اسکا لہجہ بہت خشک تھا۔" شہیر کے چہرے پہ چھائی شگفتگی رخصت ہو گئی ,پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

اوکے فائن۔" رکھائی سے کہہ کر وہ مڑ گیا اور لمبے لمبے ڈگ" بھرتا ہوا انسانوں کے ہجوم میں گم ہوگیا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد اسکا دل عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہاں لوگ ہی لوگ تھے مگر سب اجنبی۔۔ اسے لگا وہ اس ہجوم میں بھی اکیلی ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ہمت کرکے elevator کیجانب بڑھی۔ ارادہ تھا کہ سیکنڈ فلور پہ جاکر اقصیٰ اور سعد کو ڈھونڈے گی مگر پھر یہ خیال آیا کہ شاید وہ دونوں سیکنڈ سے تھرڈ یا فورتھ فلور پہ جاچکے ہوں۔ وہ پھر سست قدموں سے چلتی فاؤنٹین کے پاس آرکی۔ اسکا موبائل گاڑی میں رہ گیا تھا ورنہ وہ سعد یا اقصیٰ سے رابطہ ہی کرلیتی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسکا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور قریب تھا کہ وہ

مارے گھبراہٹ کے رو پڑتی سامنے سے شہیر آتا دکھائی دیا سجل کا سانس بحال ہوا اور وہ تیزی سے اسکی طرف بڑھی۔

کیا ہوا؟ "شہیر نے اسکے چہرے پہ پھیلی گھبراہٹ کو دیکھتے ہی" سوال کیا۔

کچھ نہیں۔ "اس نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں جواب دیا۔" نجانے کیوں دو موٹے موٹے آنسو اسکی آنکھوں سے نکل کر گالوں پہ پھسلنے لگے تھے۔

سجل کیا ہوا ہے تمہیں؟ "وہ سچ مچ پریشان ہوگیا۔ وہ کچھ نہ بولی" بس نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں شہیر کو سامنے پا کر اسے اتنا رونا آنے لگا

تھا۔

اچھا ادھر آؤ۔" وہ اسکو بازو سے تھام کر اسے قدرے الگ" تھلگ گوشے میں لے آیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

آنسو صوف کرو۔ "اس نے نرم لہجے میں کہا تو سجل نے اپنی" ہتھیلیوں کی پشت سے گال صاف کیئے۔ اسکی ناک سرخ ہورہی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"نہیں۔"

"میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر رو کیوں رہی تھی؟"

کچھ نہیں بس میں بور ہورہی ہوں، مجھے گھر جانا ہے۔" وہ اب خود کو کافی حد تک کمپوز کرچکی تھی۔

بور ہورہی ہو تو چلو سیکنڈ فلور پر چلتے ہیں۔" اس نے اسے بہلانا چاہا۔

اور وہاں بھی آپ سب لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کر اپنی اپنی" انجوائے منٹس میں گم ہوجائینگے۔" وہ تڑخ کر بولی تو شہیر کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

تو تمہیں غصہ بھی آتا۔۔"وہ دلچسپی سے اسکے چہرے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ "اور مجھے تو تم نے خود جانے کو کہا تھا۔

جی ! میں نے ہی کہا تھا جانے کو مگر اپکو جانا تو نہیں چاہیئے تھا"

اور آتا ہے مجھے غصہ ..ہر نارمل انسان کو غصہ آتا ہے۔"وہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی سجل نظر آرہی تھی۔ غصیلی اور بد مزاج سی۔۔ نیلی آنکھوں میں برہمی کے آثار واضح تھے۔

اوہ آئی سی۔۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ نارمل لوگوں کو غصہ بھی آتا ہے۔"وہ متبسم لہجے میں سر ہلا کر بولا۔ سیاہ آنکھوں میں شوخی تھی۔ سجل نے خفا خفا انداز میں اسکی طرف دیکھا۔

It's quite.. ویسے نارمل انسانوں کو تو محبت بھی ہوجاتی ہے"

وہ جھک کر اپنا چہرہ اسکے چہرے کے مقابل کرکے "natural
مدھم لہجے میں بولا تھا۔ سجل کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔
چہرہ تمتمانے لگا۔
سجل نے اسکی طرف دیکھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ شرارت بھری
نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ سیاہ ہائی نیک پہنے وہ
بے حد ہینڈسم نظر آرہا تھا۔ ہلکی ہلکی بڑھی شیو اسکے چہرے پہ
بہت جچتی تھی۔ سجل کو لگا وہ اس شخص کی محبت سے دامن نہ
بچا پائیگی۔ اسی لمحے کلاک نے بارہ بجائے اور باہر آتش بازی کا
شور گونجنے لگا۔
باہر چلیں۔" شہیر نے نرم لہجے میں اس سے پوچھا تو اسنے

ایک دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ایک فسوں خیز لمحہ تھا۔ وہ دونوں قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے باہر آئے جہاں انسانوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو کر آسمان پہ ہونے والے آتش بازی کے زبردست مظاہرے کو انجوائے کر رہے تھے۔ وہاں بہت شور تھا کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مگر ان دونوں کے ارد گرد جیسے سناٹا تھا۔ محبت کا سناٹا۔۔ وہ اسکے برابر کھڑی سر اٹھائے جگمگاتے آسمان کو پر شوق نظروں سے دیکھ رہی تھی، نیلی آنکھوں میں روشنیوں کا عکس تھا۔ شہیر یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

ہیپی نیو ائیر۔ "وہ ذرا سا جھک کر اسکے کان کے پاس گنگنایا تھا۔"

وہ چونک گئی اور گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ اس سارے

ہجوم سے بے گانہ بس اسکی طرف متوجہ تھا۔ اس سمے سجل کو وہ صرف اپنا لگا تھا۔۔ وہ مدھم سا مسکرادی۔

آپکو بھی۔ "اسکے لب مدھم سا ہلے تھے۔ اس شور میں بھی" شہیر نے اسکے لفظوں کو سن لیا تھا۔ قریب تھا کہ اس بات پہ ایمان لے آتی کہ شہیر بس اسی کا ہے۔۔ شہیر کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ وہ چونکا اور پھر جیب سے موبائل نکالا۔ ساحرہ کی کال آرہی تھی۔ اسنے کال ریسیو کرکے موبائل کان سے لگایا۔ سجل اب تک اسی کہ جانب دیکھ رہی تھی۔

ہاں ساحرہ بولو۔ "وہ بلند آواز میں بولا۔ سجل جیسے خواب سے" جاگی تھی۔ اس نے بے یقینی سے شہیر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ "ہاں

یار ہم یہ باہر ہیں۔ ہاں کیا ..آواز نہیں آرہی۔" وہ بہت اونچا بول رہا تھا۔ سجل دو قدم پیچھے ہٹی .وہ موبائل کان سے ہٹا کر اب تیزی سے میسیج ٹائپ کر رہا تھا۔ سجل اس سے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اسکے ذہن میں اس وقت بس ایک ہی بات گھوم رہی تھی کہ شہیر اور ساحرہ بچپن سے اک دوسرے سے منسوب تھے اور ان دونوں کے درمیان کسی سجل نوید کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ چند لمحے قبل جو آتش بازی اسے دلکش لگ رہی تھی اب وہ سب محض ایک بے ہنگم شور لگنے لگا تھا۔

واپسی کے سفر میں وہ ضرورت سے زیادہ خاموش تھی۔ جبکہ شہیر حد سے زیادہ خوش تھا بات بے بات چہک رہا تھا۔ سجل

بے چین تھی۔ اپنے دل پہ بند باندھتے باندھتے اب وہ تھکنے لگی تھی۔

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ اسکی نظریں جھیل کی جانب رینگ رہی تھیں۔ جس کے نیلے پانیوں پہ ہلکی ہلکی دھند کی چادر تنی ہوئی تھی۔ صبح صادق کا وقت تھا اور آج وہ نماز کے بعد رننگ کرنے کی بجائے گھر آگیا تھا۔ سردی بہت شدید تھی اسلیئے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ سجل بھی شاید سردی کی وجہ سے ہی آج نماز کے بعد جھیل پر نہ آئی تھی۔ شہیر ابھی سجل کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ وہ اسکے دل اور زندگی میں

اتنے غیر محسوس طور پر چلی آئی تھی کہ اسے خود بھی اندازہ نہ ہوا تھا۔ اسکی رنگ بدلتی آنکھوں نے اسکو اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اسکے حسین چہرے کیساتھ کیساتھ کیئرنگ نیچر اور نرم لب و لہجے نے اسکے دل میں گھر کرلیا تھا اور شہیر مرزا اپنے دل پر گزرنے والی اس واردات کے انکشاف پہ بس مسکراتا ہی رہ گیا تھا۔ اور اسکے دل کو یقین تھا کہ وہ بھی اسکو چاہتی ہے۔ وہ اس سے کتراتی ضرور تھی مگر اسکی آنکھوں میں لکھی سچائی کو اس نے پڑھ لیا تھا۔ وہ جب جب اسکی طرف دیکھتی تو اسکی آنکھوں میں اک عجیب سی چمک ہوتی جو اسکے دل کا حال کہہ دیتی تھی۔ وہ کتنا بھی اسکی محبت سے دامن بچاتی مگر شہیر کو یقین تھا کہ وہ نازک

سی لڑکی بھی اسکی محبت کی اسیر ہو چکی ہے۔

دسمبر کی چھٹیاں ختم ہوتے ہی انکے ایگزامز شروع ہو گئے اور وہ ہر بات بھلا کر پڑھائی میں جت گئی۔ ان دنوں شہیر بھی کسی بزنس ٹور کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسلیئے پیپرز کے دوران اسکا دھیان مکمل طور پر پڑھائی کی طرف ہی رہا تھا۔ اسکے اور اقصیٰ کے پیپرز ایک دن کے وقفے سے ختم ہوئے تھے۔ اقصیٰ تو چند دن روحینہ کیطرف گزارنے چلی گئی سعد دوستوں کیساتھ مری نکل گیا۔ اقصیٰ نے تو سجل پہ بھی اپنے ساتھ چلنے پر بہت زور لگایا مگر اسے روحینہ کیطرف جا کر رہنا کچھ آکورڈ سا لگ رہا

تھا سو اسنے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔ بہرحال اقصیٰ اور سعد کے چلے جانے سے مغل ہاؤس کے در و دیوار بھی جیسے خاموش ہوگئے تھے۔ شہیر بھی ابھی نہ لوٹا تھا۔ سجل تو تھی ہی صدا کی خاموش طبع اور رہ گئی ساحرہ تو اسکا تو ویسے ہی زیادہ وقت ہاسپٹل میں ہی گزرتا تھا۔ خواتین بھی شام کے وقت ہال میں اکٹھا ہوتیں تو تھوڑی بہت گپ شپ لگا لیتیں لیکن زیادہ تر وقت ایک گہرا سناٹا ہی پورے گھر پہ چھایا رہتا تھا۔ ایسے میں سجل کو نجانے کیوں شدت سے شہیر کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ روز صبح فجر کے بعد وہ جھیل پہ جاتی تو نگاہیں چہار سو اسے ہی تلاشتی رہتیں۔ جب کبھی کچن میں چائے بنانے جاتی تو چھم سے وہ تصور

کے پردے پہ آجاتا۔ دن بھر میں کئی بار وہ اسکی آہٹوں پہ چونک چونک جاتی مگر وہ کہیں نہ ہوتا تو اسکے دل میں اداسی اتر آتی۔ پھر ایک شام جب رابعہ بیگم ثمینہ بیگم کیساتھ شاپنگ کیلیئے گئی ہوئی تھیں۔ ساحرہ بھی ہاسپٹل میں تھی سطوت ناظمہ خاتون کے کمرے میں ان سے گپ شپ میں مصروف تھیں۔ صولت مرزا اور شوکت مرزا کو بھی کسی بزنس میٹنگ کے باعث دیر سے گھر آنا تھا۔ سو ایسے میں سجل کٹے پتنگ کیطرح سارے گھر میں ادھر سے ادھر چکراتی پھر رہی تھی۔ جب بہت اکتا گئی تو لان میں نکل آئی شام کے سایے ہر سو پھیل چکے تھے اور سرد ہواؤں نے ہر سو ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ وہ برآمدے کی ٹھنڈی سیڑھیوں میں سے

ایک پہ بیٹھ گئی اور چہرہ گھٹنوں پہ سجا لیا۔ سرد ہوا اسکے وجود سے ٹکرا رہی تھی مگر وہ یہیں بیٹھے رہنا چاہتی تھی۔ نجانے کتنا وقت گزرا جب پھاٹک سے ایک گاڑی اندر داخل ہوئی وہ نظر انداز کر گئی اور چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔ گاڑی کو گیراج میں پارک کیا گیا پھر قدموں کی چاپ ابھری جو بتدریج قریب آتی گئی اور پھر آنیوالا عین سجل کے سر پہ آ رکا۔

اسلام علیکم ! کون ہے یہاں؟ "شہیر کی فریش آواز پہ سجل نے" جیسے خواب کے عالم میں سر اٹھایا اور اسے روبرو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سیاہ تھری پیس میں ہمیشہ کیطرح شاندار نظر آ رہا تھا۔

ارے سجل کیسی ہو؟ "وہ مسکرایا تھا۔"

ٹھیک ہوں۔ "وہ غیر شعوری طور پر مسکرا اٹھی تھی۔ اسے یوں"

سامنے دیکھ کر دل میں انجانی مسرت پھوٹنے لگی تھی۔

یہاں کیوں بیٹھی تھی اتنی سردی میں . بیمار ہونے کا ارادہ ہے"

"کیا؟

"نہیں یوہی بس بور ہو رہی تھی۔"

"بور کیوں ہو رہی تھی۔ اقصیٰ اور سعد کدھر ہیں؟"

اقصیٰ روحینہ آپی کے گھر ہے اور سعد بھائی اپنے دوستوں کیساتھ

مری گئے ہوئے ہیں۔ بڑی اور چھوٹی ممانی بھی شاپنگ کیلیئے نکلی

ہیں اور ماموں ابھی واپس نہیں آئے آفس سے۔ "اس نے

تفصیل بتائی۔

ہوں۔ "شہیر نے ہنکارا بھرا۔ "اچھا اب یہیں کھڑے رکھنے کا ارادہ ہے کیا؟ اتنے دنوں بعد آیا ہوں چائے ہی پوچھ لو۔ "وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا تو وہ مسکرادی۔

نہیں آپ خود ہی ادھر کھڑے ہوگئے میں نے کب روکا ہے" "اندر جانے سے۔

رستہ روکے کھڑی ہو اندر کیسے جاؤں۔۔ "وہ ہلکا سا تبسم ہونٹوں میں دبا کر بولا تو وہ جھینپ گئی۔

جائیں آپ۔ "اسنے ایک طرف ہٹ کر کچھ نادم سے لہجے میں" کہا۔ شہیر مسکراتے ہوئے اندر کیجانب بڑھ گیا۔ سجل نے ایک

طویل سانس لی ذہن پہ چھائی کثافت جیسے ڈھل گئی تھی۔ یہ سرد موسم جو کچھ دیر قبل طبیعت پہ گراں گزر رہا تھا اب حسین لگنے لگا تھا۔ وہ اپنے اندر پھیلتی مسرت کو دباتی ہوئی اندر کیجانب بڑھ گئی۔

اگلے روز اقصیٰ اور سعد بھی واپس آ گئے تھے اور گھر کی رونقیں بحال ہو گئیں۔ اگلے روز سے یونیورسٹی میں کلاسز شروع ہونی تھیں۔

اگلے روز صبح ناشتے کی میز پہ سجل اقصیٰ اور سعد موجود تھے بقیہ گھر والے ابھی بیدار نہ ہوئے تھے۔

کیا حال چال ہے بھئی تم لوگوں کا۔ "دفعتاً شہیر بھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

فائن شائن شیری بھیا۔ "سعد نے جواباً مسکرا کر کہا۔"

کیا بنا تم سب کے رزلٹ کا؟ "اس نے چائے کی تھرماس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ سجل اپنی پلیٹ پہ جھکی خود کو بالکل ناشتے میں منہمک ثابت کرنے میں مصروف تھی۔

ابھی کچھ پتہ نہیں۔ ویسے میرا تو آپکو پتہ ہی ہے شیری بھیا" ہمیشہ ٹاپر رہا ہوں۔ "سعد نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا .اقصیٰ ہنسنے لگی۔

تم اور ٹاپر ...بڑا سہانا خواب ہے۔ "وہ ہنستے ہوئے بولی۔"

تو تم کونسی ٹاپر ہو جو مجھ پہ ہنس رہی ہو۔ "سعد نے چمک کر" کہا۔

تو میں تمہاری طرح اپنی لائقی کے چرچے بھی نہیں کرتی پھرتی" دنیا بھر میں۔ "اقصیٰ نے منہ بنا کر کہا۔ دونوں کے درمیان لڑائی شروع ہوا ہی چاہتی تھی۔

بس... "شہیر نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں کہا .تو وہ دونوں" چپ ہوگئے۔

سجل تمہارے ایگزامز کیسے ہوئے تھے؟ "اس نے چند ثانیے بعد" سجل کو مخاطب کیا۔

بس ٹھیک ہی ہوئے۔"اسنے سر جھکائے جھکائے ہی جواب دیا۔"
تم تینوں ہی نکمّے ہو پڑھائی کے معاملے میں ویسے۔"شہیر نے"
تاسف سے سر ہلایا۔
اس ریمارک پہ سعد اور اقصیٰ تو جی بھر کر ہنسے جبکہ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔
چلو لڑکیوں جلدی سے آ جاؤ میں گاڑی میں ہوں۔"سعد نے"
ناشتہ ختم کر کے نیپکین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔"بائے بائے شیری بھیا۔"وہ اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر ہاتھ ہلاتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔ اقصیٰ بھی فوراً سے اٹھی۔

میں اپنا بیگ لیکر آتی ہوں سجل تم جاکر گاڑی میں بیٹھو ورنہ وہ" دو منٹ ہارن بجا بجا کر سارا گھر سر پہ اٹھا لے گا۔ "وہ عجلت آمیزانداز میں کہہ کر چلی گئ۔ اسکے جاتے ہی سجل نے بھی جلدی سے نیپکین سے ہاتھ پونچھے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ویسے پاس تو ہوجاؤگی ناں۔ "شہیر نے متبسم لہجے میں اسے" مخاطب کیا تو وہ بے اختیار جھینپ گئ۔

اتنے برے بھی نہیں ہوئے ایگزامز میرے۔ "وہ سر جھکا کر" انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

اچھا مطلب پاس ہوجاؤگی۔ "اس نے سر ہلایا۔"

جی انشاء اللہ۔ "اس نے بھی جواباً سر ہلایا۔"

"گڈ پھر گفٹ کیا لوگی؟"

کچھ نہیں۔ "وہ ایک حرفی جواب دیکر جانے کو پلٹی۔"

لیکن کیوں اقصیٰ اور سعد تو فیل ہونے پر بھی مجھ سے زبردستی"

"گفٹ لیتے ہیں۔

لیکن مجھے تحفے لینا پسند نہیں ہیں۔ اللہ حافظ۔ "وہ یکدم اپنے"

خول میں سمٹ گئی تھی۔ جواب دیکر وہ وہاں رکی نہیں تھی بلکہ

ڈائننگ ہال سے چلی گئی تھی۔ شہیر نے ایک گہری سانس بھری

اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اتوار کا دن تھا۔ گھر کے تقریباً سبھی افراد روحینہ کے گھر اسکے ساس سسر کو عمرہ کی مبارکباد دینے کیلیئے گئے ہوئے تھے۔ سعد اپنے دوستوں سے ملنے گیا ہوا تھا، ساحرہ ہمیشہ کیطرح اسپتال میں تھی اور شہیر بھی موجود نہیں تھا۔ اقصیٰ اور سجل کچن میں گھسی فرائیڈ رائس بنانے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔

یار ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا نیکسٹ ویک مری جانے کا پلان بن" رہا ہے۔ "اقصیٰ نے سجل کو بتایا۔ جو کٹنگ بورڈ پہ بند گوبھی کو باریک کتر رہی تھی۔

اچھا ! لیکن ہم نے جب سر احمد سے بات کی تھی تو انہوں نے" منع کر دیا تھا کہہ رہے تھے کہ گورنمنٹ کیطرف سے ہی اجازت

"نہیں ہے ٹرپ لیکر جانے کی۔

ہاں یار یہ مسئلہ تو ہے مگر ہمارے ڈیپارٹمنٹ نے اپنے"
پہ ارینج کیا ہے یہ ٹرپ۔ سر ثاقب نے ہمیں یہ مشورہ behalf
دیا تھا۔ اقصیٰ نے بتایا۔

"اچھا تو سب ٹیچرز ساتھ جائینگے کیا؟"

"سب تو نہیں مگر ایچ او ڈی جائینگے سر ثاقب اور سر عمر جائینگے۔"

ہوں..۔ "سجل نے سر ہلایا پھر پلٹ کر اسکی طرف دیکھا جو"
بالکل فراغت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ "یہ تم فارغ کیوں بیٹھی ہو
"تھوڑی سی ہیلپ ہی کروادی میری۔

یار یہ سبزیاں چھیلنے کاٹنے کا کام مجھ سے نہیں ہوتا یہ تم کردو"

چاول بھی تم بوائل کرلینا باقی کام میں کرلوں گی۔" اس نے بہت اطمینان سے کہا تو سجل تپ گئی۔

"بائے دا وے میڈم باقی کام ہی کیا رہ جاتا ہے پھر؟"

بہن اصل کام تو یہی ہوتا ہے کہ چولہے کے سامنے کھڑے ہو کر پتیلی میں چمچ ہلایا جائے کیونکہ ذائقہ تو چمچ چلانے والے کے ہاتھ کا ہی ہوتا ہے۔" اقصیٰ چمک کر بولی۔

زیادہ تقریر مت کرو اور چکن نکالو فریزر سے۔" اسنے اسے گھور کر دیکھا۔

اچھا نکال دیتی ہوں گھور کیوں رہی ہو۔" وہ ہنستی ہوئی اٹھ کر فریج کی جانب بڑھی تبھی کچن کے دروازے پر آہٹ ہوئی اور

شہیر ہلکی سی دستک دیکر اندر داخل ہوا۔

"ارے شیری بھیا آپ کب آئے؟" اقصیٰ نے پلٹ کر پوچھا۔

"ابھی ابھی۔۔" شہیر نے جواب دیا۔ "ایک کپ چائے ملے گا۔"

شیور۔" اقصیٰ نے سر ہلا کر کہا۔ "آئیں یہیں بیٹھ جائیں گھر پہ" "تو کوئی نہیں ہے۔

"نہیں میں ذرا ریسٹ کرونگا۔ ویسے تم لوگ کیا کر رہی ہو۔"

چکن فرائیڈ رائس بنا رہے ہیں۔" اقصیٰ نے فخر سے بتایا۔ جبکہ" سجل حد سے زیادہ مصروف نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

گڈ۔۔ اگر یہ واقعی بن گئے اور کھانے کے قابل ہوئے تو ایک" پلیٹ مجھے بھی بھیج دینا۔" وہ شرارت آمیز انداز میں بولا۔

"شیری بھیا آپکی اطلاع کیلیئے عرض ہے کہ میں اور سجل مل کر دنیائے کوکنگ میں بہت نام پیدا کرنے والے ہیں۔" اقصیٰ مضحکانہ انداز میں بولی تو کٹنگ بورڈ پہ قریب قریب سجدہ ریز سجل بے اختیار ہنس پڑی۔

"اوہ آئی سی .. ویسے اقصیٰ یہ ہماری چھوٹی کزن ہنستی بھی ہے۔" شہیر نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر اقصیٰ سے پوچھا۔ سجل کی ہنسی کو فوراً بریک لگے تھے۔

کبھی کبھی یہ بد پرہیزی بھی ہو ہی جاتی ہے شیری بھیا۔ "اقصیٰ" نے بھی جواباً شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ سجل نے اسے گھور کر دیکھا۔

اچھا۔۔ "شہیر ہولے سے ہنسا۔ "خیر چائے میری کمرے میں دے جانا۔ "وہ کہہ کر کچن سے چلا گیا۔ اسکے جاتے ہی سجل چھری ہاتھ میں پکڑے اقصیٰ کیطرف مڑی۔

بڑی دانت نکلتے ہیں تمہارے شوخی۔ "اس نے مصنوعی غصے

سے کہا۔

ناراض کیوں ہوتی ہو ڈئیر کزن ۔ہم صرف مذاق کر رہے تھے۔ "اقصیٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیکر چائے کا پانی چولہے پہ چڑھا دیا۔ سجل پھر سے پلٹ کر سبزیوں کی کٹنگ میں مصروف ہو گئ۔

شیری بھیا کی عادت ہے مذاق کرنے کی یار۔ "اقصیٰ نے"

چولہے پہ چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

"بالکل ساحرہ آپی سے نیچر بھیا کی شیری ویسے opposite ہے سعدی تو اکثر کہتا ہے بلکہ ان دونوں کا کوئی میچ نہیں۔" اقصیٰ نے کہا۔

"اچھا مے بی ایسا ہی ہوم ویسے سعد بھائی ایسا کیوں کہتے ہیں؟ ساحرہ آپی تو ان کی بہن ہیں۔ انہیں تو خوش ہونا چاہیئے کہ انکی بہن کے نصیب میں اتنا اچھا انسان ہے۔" سجل بولی۔

"نصیب کی بات نہیں ہے یار یہ تو دادا جان کا فیصلہ تھا۔ جس کے احترام میں یہ رشتہ بنایا جائے گا۔" اقصیٰ نے کیبنٹ سے پتی کا ڈبہ نکال کر ابلتے ہوئے پانی میں پتی ڈالی۔

بٹ یہ ایک حقیقت ہے کہ ساحرہ آپی اور شہیر بھیا کا کوئی میچ"
"نہیں۔
لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی تو کرتے ہیں۔ "سجل"
نے کہا۔

"I dont think so"

اقصیٰ نے چائے میں دودھ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔
"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"
یار تمہیں ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر کبھی لگا ہے کہ وہ دونوں"
ساحرہ آپی تو منگنی even ہیں۔ intrested ایک دوسرے میں
والے دن بھی بس اپنے کولیگز کے ساتھ بزی رہی تھیں۔ شیری

بھیا کی نیچر بہت لونگ اور کیئرنگ ہے۔ لیکن ساحرہ آپی۔۔۔۔۔
آئی ڈونٹ نو وہ کیسی ہیں۔ بٹ وہ شیری بھیا کے ساتھ بلکل میچ
نہیں کرتی۔" اقصیٰ نے چائے مگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔
لیکن وہ دونوں کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہے جہاں ماں باپ"
نے باندھ دیا بندھ گئے۔" سجل نے پلٹ کر اسکی طرف دیکھا۔
یو آر رائٹ۔ خیر میں زرا شیری بھیا کو چائے دے آؤں۔ "وہ"
مگ اٹھا کر بولی۔
چینی تو ڈال دو۔ "سجل نے اسے ٹوکا۔"
پاگل ہوگئی ہو۔ شیری بھیا شوگرلیس چائے پیتے ہیں اگر انکے"
کپ میں آدھا چمچ چینی بھی ڈال دی جائے تو شامت آجاتی

ہے۔" اقصیٰ نے اسے جواب دیا اور مگ لے کر کچن سے چلی گئی۔ جبکہ سجل اپنی جگہ جم سی رہ گئی تھی۔ یہ انکشاف اسکے لیئے حد درجہ حیران کن تھا کہ شہیر شوگرلیس چائے پیتا ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ اس کو دو چمچ چینی والی چائے بنا کر دی تھی اور وہ شوق سے پی لیتا تھا۔۔۔۔ بلکہ اکثر صبح میں وہ اس سے از خود چائے بنانے کا کہتا تھا۔۔۔۔۔ کڑوی چائے پینے والا شہیر مرزا اسکے ہاتھ کی بنی میٹھی چائے کیوں پی لیتا تھا۔۔۔۔۔ سجل کے دل نے سوال کیا اور جواب۔۔۔۔ جواب تو ان سیاہ بھنور سی آنکھوں میں بڑا واضح ہوتا تھا۔۔۔۔ سجل ان آنکھوں کے پیغام کو جتنا نظر انداز کرنے کی کوشش کرنے کر رہی تھی اسی قدر اس سحر میں

گرفتار ہوتی جا رہی تھی۔

اماں جان میں تو سوچ رہی ہوں کہ اب شیری اور ساحرہ کی" شادی کی تیاریاں شروع کر ہی دی جائیں۔ "رابعہ بیگم کی بات پر کپڑے تہہ کرتی سجل کا ہاتھ بے اختیار کانپا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور وہ ناظمہ خاتون کے کمرے میں رابعہ بیگم کے ساتھ وارڈروب ٹھیک کروا رہی تھی۔

ہاں بڑی بہو، شادی کی تیاریوں کیلیئے جتنا وقت ملے اتنا کم بھی" ہے۔ "ناظمہ خاتون نے بہو کے خیال کی تائید کی۔

کس کی شادی کی تیاریوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔ "ثمینہ بیگم"

کہتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

”بھئی اب تو شیری اور ساحرہ کی ہی شادی ہونی ہے۔ اسی کی تیاریوں کے متعلق بات کر رہی تھی میں اماں جان سے۔“ رابعہ بیگم بولیں۔

”ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ کل شوکت بھی کہہ رہے تھے رمضان سے قبل ہی تیاریاں مکمل کرلیں تو بہتر رہے گا۔“ ثمینہ بیگم بیڈ کے ایک کنارے پہ پاؤں سمیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”ہاں رمضان میں تو شاپنگ نہیں کی جائے گی،اتنی گرمی ہوتی ہے۔ اوپر سے گھر کے سو کام۔“ رابعہ بیگم نے کہا۔

"چھوٹی بہو تم نے ساحرہ سے اسکی پسند دریافت کی کہ وہ بارات اور ولیمے پہ کیا پہنے گی۔" ناظمہ خاتون نے ثمینہ بیگم سے پوچھا۔

"ساحرہ کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے اماں جان۔ میں تو سوچ رہی ہوں بارات کیلیئے سرخ یا میرون لہنگا اور ولیمے کیلیئے کسی بھی ان فیشن کلر میں میکسی بنوا لی جائے۔ کیوں بھابھی؟"

"بارات پہ تو سرخ لہنگا ٹھیک رہے گا لیکن میکسی منگنی پہ بھی پہنی تھی ساحرہ نے۔ ولیمے کیلیئے کوئی اور اسٹائل ہونا چاہیئے۔" رابعہ بیگم نے کہا۔ سجل کا دل نجانے کیوں شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"چلیں یہ بچیاں جائیں گئ تو دیکھ لیں گی۔ ہمیں تو latest

کا اتنا علم نہیں ہوتا۔" ثمینہ بیگم نے سجل کی طرف fashion دیکھ کر کہا۔

"ارے بھئی اپنی بہو کی تو ساری شاپنگ میں خود کروں گی۔" رابعہ بیگم فورا بولیں۔ "ایک ہی تو بیٹا ہے میرا۔ سارے ارمان نکالوں گی اسکی شادی پہ۔"

بھابھی ساحرہ میری بھی اکلوتی بیٹی ہے۔ میرے دل میں بھی" کئی ارمان ہیں اسکی شادی کیلیئے۔ اور پھر ہمارے بچے تو ماشاءاللہ اتنے فرمانبردار اور سعادت مند ہیں مجال ہے جو ماں باپ کے فیصلوں کے آگے ایک لفظ بھی اعتراض کا کہیں۔" ثمینہ بیگم فخر سے بول رہیں تھی۔

نظر اتار لیں چچی۔ ”شہیر کہتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو وہ بلا“ ارادہ پلٹی تھی۔

بڑے وقت سے آئے ہو شیری۔ ابھی ہم تمہاری اور ساحرہ کی“ کر رہے تھے۔ ”ثمینہ بیگم discuss شادی کے متعلق بات ہی مسکرا کر بولیں۔ شہیر نے کنکھیوں سے اسے وارڈروب کے پاس کھڑی سجل کی طرف دیکھا جس کے صبیح چہرے پہ پھیکا پن بڑا واضح نظر آرہا تھا۔

کیا discuss کر رہے تھے چچی جان؟ ”وہ دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔ سجل پلٹ کر بے دلی سے وارڈروب سیٹ کرنے لگی۔

”کر رہے تھے بیٹا۔ discuss شادی کی تیاریوں کے متعلق“

اچھا۔۔۔ پھر ابھی تو بہت وقت ہے شادی میں۔" وہ مخاطب ثمینہ سے تھا مگر دھیان کا مرکز وہ تھی۔ جو بظاہر خود کو لاپرواہ ظاہر کر رہی تھی مگر اسکے دل میں ایک عجیب سی اتھل پتھل ہو رہی تھی۔

بہت کہاں بیٹا۔ عید کے چوتھے دن دونوں کی مہندی کی رسم "ہوگی۔ اور رمضان تک سب تیاریاں ہم نے مکمل کرنی ہیں۔ رابعہ بیگم بولیں۔

"ہاں تو ماما رمضان جون میں ہے۔"

تو بیٹا جنوری بھی تو آدھا گزر گیا ہے۔ پتہ بھی نہیں چلے گا اور" رمضان شروع ہوجائے گا۔ انھوں نے اٹھ کر وارڈروب کے پاس

جاتے ہوئے کہا۔ یہ تو سیٹ ہوگیا سارا۔ تھینک یو بیٹا۔ اب تم جاؤ۔ "وہ نرم لہجے میں مخاطب تھیں۔

جی بڑی ممانی۔ "وہ مدھم آواز میں کہہ کر جانے کو مڑی۔"

سجل پلیز ایک کپ چائے کا کہتی ہوئی جانا۔ "شہیر نے کہا تو وہ" پلٹے بغیر "جی "کہہ کر کمرے سے باہر آگئ۔ اسکے دل میں عجیب سی اداسی چھانے لگی تھی۔ مرے مرے قدم اٹھاتی وہ کچن میں آئی اور ملازموں کو چائے کا کہہ کر لائبریری میں چلی آئی۔ اس نے اپنے دل کو مضبوط بنائے رکھنے کیلیئے بے شمار جتن کر ڈالے تھے، مگر ہر گزرتا دن اسکے ہر ارادے کو کمزور کرتا جا رہا تھا۔ وہ ایک کرسی پہ بیٹھ گئ اور سر میز پر رکھ دیا۔

سنو !

مجھ سے نہیں ہوتا

دلیلیں دوں

مثالیں دوں

میری آنکھوں میں لکھا ہے

مجھے تم سے محبت ہے...

وہ فروری کے دوسرے ہفتے کے ایک انتہائی سرد صبح تھی۔ کئی روز سے بارش نہ ہونے کے باعث دھند کا یہ عالم تھا کہ حدِ نگاہ صفر ہو کر رہ گئی تھی۔ اس سرد ترین صبح میں وہ نماز کے بعد گھر

کیطرف روانہ ہوگیا۔ ہر سو ایک ہو کا عالم تھا۔ آسمان پہ نجانے بادل تھے یا کہرے کی چادر ..ہڈیوں میں گھستی ہوئی سرد ہوا کے تھپیڑے اسے تیز تیز قدم اُٹھانے پہ مجبور کر رہے تھے۔ سردی اتنی شدید تھی کہ پرندے بھی صبحِ صادق میں رب کی مداح سرائی کرنے کو اپنے گھونسلوں سے باہر نہ نکلے تھے۔ وہ ہاتھوں کو لانگ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے گھر کے قریب پہنچ گیا۔ مغل ہاؤس کی سفید عمارت کہرے میں لپٹی کھڑی تھی۔ وہ پھاٹک سے گزر کر روش پہ چلنے لگا۔ لان سے لیکر جھیل کے پانیوں تک دھند کی گہری چادر تنی ہوئی تھی۔ شدید ٹھنڈ کے باوجود نجانے کیوں اسکے قدم گھر کی طرف جانے کی بجائے جھیل کیطرف اٹھ

گئے تھے۔ اوس سے بھیگی گھاس پہ قدم رکھتا ہوا وہ جھیل پہ سایہ فگن ٹنڈ منڈ درخت کے قریب پہنچ گیا۔ نیلے پانی پہ خشک پتے تیر رہے تھے۔ جھیل سے ہوتی ہوئی اسکی نظریں سامنے تک گئیں۔ جھیل کے اس پار قہ بلاشبہ سجل تھی۔ سفید لمبے فراک میں لمبے بال پشت پہ بکھرائے وہ جھیل کی جانب پشت کیئے کھڑی درخت کی ٹنڈ منڈ شاخوں میں نجانے کیا کھوج رہی تھی۔ شہیر بے اختیار ہی پل سے گزر کر جھیل کے اس طرف پہنچا۔وہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔اور دھند کے بادل اسکے آس پاس اڑ رہے تھے۔اس سرد ترین صبح میں شہیر کو وہ بالکل کسی شہزادی کی مانند لگی تھی، جو اپنے محل کے وسیع و عریض باغ

میں چہل قدمی کرنے نکی ہو۔

سجل! "بے اختیار اسکو پکار بیٹھا تھا۔وہ چونک کر اسکی طرف" پلٹی۔شہیر چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے اسکے قریب آ کھڑا ہوا،اس سمے سجل کی بڑی بڑی آنکھوں میں اس سرد ترین صبح کا عکس تھا، سرمئی سا۔۔۔

اسکی سفید رنگت میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔سفید دوپٹہ دلیئں شانے پر پڑا ہوا تھا۔اور اسنے ایک معمعلی سا سفید سوئیٹر پہن رکھا تھا۔

آپ! "وہ اتنا ہی کہ سکی۔۔۔اور جلدی سے دوپٹہ اچھی طرح" پھیلا کر سر پر بھی اوڑھ لیا۔

"تم اتنی سردی میں یہاں؟۔۔بیمار پڑ جاؤ گی۔"
میں بس اندر جا ہی رہی تھی۔"وہ سر جھکا کر مدھم آواز میں" بولی۔
تمہیں یہاں دیکھ کر پتا ہے مجھے کیا لگا؟"وہ بولا۔سجل نے پلکیں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔سیاہ آنکھوں میں صرف محبت تحریر تھی۔۔۔وہ محبت جو صرف سجل کیلیئے تھی،وہ اپنی آنکھیں ہٹا ہی نہ سکی۔
مجھے لگا کہ مصر قدیم کی کوئی شہزادی اپنے محل کے باغ کی سیر کو نکلی ہے۔ وہ ذرا سا جھک کر مدھم ٦واز میں بولا تھا۔
سجل کا دل دھڑکنے لگا۔ہوا کا تیز جھونکا آیا اور اسکے سر سے دوپٹہ

گر گیا۔ لمبے بال اڑھ کر خوشبو بکھیرنے لگے،وہ دونوں اس لمحے کے فسوں میں مقید ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھے جا رہے تھے۔

محبت ان کے دلوں میں دھڑک رہی تھی۔۔ محبت رگ رگ میں اتر گئی تھی۔۔۔ محبت دھنک کی چادر کی طرح انکو اپنی لپیٹ میں لیئے جا رہی تھی۔

سجل۔۔"شہیر نے ااسے خواب آگین لہجے میں پکارا تو وہ بے" طرح چونکی۔

سجل آئی لو یو۔"اسکا مرمریں نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں" لے کر وہ جذبات سے پر لیجے میں بولا تھا۔ اسکی سیاہ آنکھیں اسکی

اسکے لہجے کی سچائی کی گواہی دے رہی تھیں۔۔ سجل کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔ چند لمحوں پہلے محبت کے جس گلابی جال میں وہ جھول رہی تھی، اسکا تانا بانا ابکھر سا گیا تھا۔ اسنے اپنا ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے واپس کھینچ لیا۔ محبت کے خواب خشنما تھے۔ اسکا دماغ دل پر حاوی ہونے لگا۔چہرے پر تناؤ کی کیفیت نظر آنے لگی۔

میں نے اتنی زندگی گزار دی سجل اور کبھی سوچا ہی نہیں کہ" مجھے بھی محبت ہو سکتی ہے۔ "وہ کہہ رہا تھا۔

مگر مجھے نہیں ہو سکتی۔ "اسنے سخت لہجے میں کہ کر جانے کیلئے" قدم آگے بڑھائے۔ لیکن شہیر نے تیزی سے اسکی کلائی تھام کر

اسے جانے سے روکا۔ وہ رک گئ مگر پلٹی نہیں۔ اسے رک کر ان آنکھوں کی مدھم پڑتی چمک کو نہیں دیکھنا تھا۔ اسے اس لمحے میں کمزور نہیں پڑنا تھا۔

"مگر کیوں سجل؟تم یہ کیوں کہتی ہو کہ تمہیں محبت نہیں ہو سکتی؟ جبکہ تمہاری آنکھوں میں صاف لکھا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا۔ چہرے پر جذباری تصیر نمایاں تھا۔

"آپ میرے متعلق اندازے نہیں لگا سکتے۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"because i know touآف کورس لگا سکتا ہوں سجل۔۔۔"

۔یہ کوئی مفروضہ نہیں، حقیقت ہے۔اور تم اسlove me حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی۔" وہ اب کی بار سخت لہجے میں بولا تھا۔

پلیز میرا بازو چھوڑ دیں۔" وہ اسکی طرف دیکھے بغیر بولی"

"پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔" اس نے اسے" کندھوں سے تھام کر سختی سے اپنی طرف موڑا۔

نہیں ہے مجھے محبت۔" وہ اسکے ہاتھ جھٹک کر دبی دبی آواز میں" چلائی۔

صبح کی روشنی اب دھند کی چادر چیر ر دھرتی پر قدم جمانے لگی تھی۔ فضا میں چڑیوں کے چہچہانے کی آواز گونجنے لگ تھی۔

میں نہیں مان سکتا۔" شہیر نے نفی میں گردن ہلائی۔"

"تو مت مانیں۔" وہ رکھائی سے کہ کر آگے بڑھ گئ۔" سجل۔"

اس نے عقب سے اسے پکارا تو وہ رک کر پلٹی۔ سرمئی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔

مجھے کسی سے محبت نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتی۔۔ اور آپ" سے تو کبھی بھی نہیں۔" بے حد خشک لہجے میں اسے جواب دیکر وہ تیز تیز قدموں سے پل پار کر گئ تھی۔ وہ دھواں دھواں چہرہ لیئے اسے دم بہ دم دھند میں گم ہوتے دیکھتا رہا تھا۔

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس کا دل جیسے سر میں دھڑک رہا تھا اور سانس پھولنے لگی تھی۔ اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ اقصیٰ بستر پہ گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ کاؤچ پہ جا بیٹھی۔ دل بہت گھبرانے لگا تو اٹھ کر سطوت کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بستر کے ایک کنارے پہ نیم دراز شاید تسبیح پڑھتے پڑھتے سو گئی تھیں۔ وہ بناء آہٹ کیئے بستر کے قریب آئی اور انکے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔

آئی لو یو سجل۔ "اسکی سماعتوں میں وہ دلکش لہجہ گونجا تو اسنے" کرب سے آنکھیں موند لیں۔

اس عمر میں تمہیں یہ رنگینیاں بہت بھائیں گی مگر ان"

روشنیوں کی حقیقت ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔" اس کے ارد گرد سطوت کی آواز گونجی تو اس نے ہلکی سی سسکی لیکر انکے پیروں پہ ہاتھ رکھ دیئے . سطوت کی آنکھ فوراً کھلی گئ۔

سجل .. تم .. کیا ہوا بیٹا؟ "وہ کسلمندی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔"

امی ! "وہ انکی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئ۔"

کیا ہوا میری چندا؟ "وہ محبت سے اسکے بال سہلانے لگیں۔"

"امی ایک بات پوچھوں۔"

"ہاں بیٹا پوچھو۔"

امی آپکی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ کونسا تھا، ابو سے شادی کرنے کا یا اپنی اولاد سے دستبرداری کا؟" اس نے سنجیدہ لہجے میں

پوچھا۔ سطوت جیسے چند لمحوں کیلیئے سوچ میں پڑ گئیں۔

امی۔۔ "اس نے اسکا کندھا ہلایا تو وہ چونکیں۔"

شادی کا فیصلہ تو میں نے بناء سوچے سمجھے ہی کرلیا تھا بیٹا۔" سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو محبت نے سلب ہی کرلی تھی۔۔ بس آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور میں نے اندھا دھند آگ کے سمندر میں چھلانگ لگادی تھی۔ جب ہوش آیا تب تک نو ریٹرن پوائنٹ آچکا تھا۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ حقیقت پسندی سے اپنی زندگی یا تجزیہ کر رہی تھیں۔

اور جہاں تک بات ہے اولاد سے دستبردار ہونے کی تو تب" میرے پاس کوئی آپشن ہی نہیں بچا تھا۔۔ تمہارے باپ نے

میرے پر کاٹ کر مجھے اس پنجرے میں تڑپنے کیلیئے چھوڑ دیا تھا۔ "سطوت کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

امی ! کیا محبت کرنا اتنا بڑا جرم ہے۔ "اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

نہیں جرم محبت نہیں ہے۔۔ میں نے اور نوید نے بھی جرم نہیں کیا تھا لیکن وہ شادی ہمارا اپنا فیصلہ تھی تو اسے کامیاب بھی ہم دونوں کو مل کر ہی بنانا تھا۔ یکطرفہ رشتے بھی یکطرفہ محبتوں کی طرح ناکام ہوجاتے ہیں بیٹا۔ میں نے اس رشتے کو قائم رکھنے کیلیئے ہر طرح کی قربانی دی تھی لیکن نوید۔۔ وہ مجھے اپنے گھر میں ڈال کر بھول گئے تھے۔ انہوں نے اپنے خاندان

سے بغاوت کر کے مجھ سے شادی کی تھی تو مجھے اس خاندان میں عزت دلوانا بھی انکا فرض تھا مگر انہوں نے مجھے نفرتوں کے جہنم میں دھکیل دیا اور ساتھ یہ ہدایت بھی جاری کردی کہ مجھے اُن نفرت بھرے دلوں میں جگہ پیدا کرنی ہے۔ یہ مجھ اکیلی کیلیئے ممکن تھا ہی نہیں سو میں ہار گئی اور نفرتیں جیت گئیں۔"

سطوت بے تاثر لہجے میں بول رہی تھیں۔ مگر انکی بھوری آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بہہ کر سجل کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

لیکن ابو نے ایسا کیوں کیا؟" اس نے جیسے خود سے سوال پوچھا" تھا۔

یہ تو وہی جانیں۔" سطوت نے تاسف سے کہا۔"

آپکو اپنی زندگی سے نکال دینے کے بعد وہ بھی خوش نہیں رہے" تھے امی۔ دادو ان سے کہتی مر گئیں کہ وہ شادی کرلیں مگر انہوں نے شادی نہ کی۔ ساری عمر قیدِ تنہائی کی خود ساختہ سزا کاٹتے رہے اور عجیب بات یہ ہے انہوں نے مجھے آپ سے دور رکھا مگر خود مجھ سے قریب نہ ہوسکے۔ میں انکی ایک شفقت بھری نگاہ کو ترستی رہی امی۔ وہ اس دنیا سے چلے گئے مگر مجھے کبھی محبت سے پکارا تک نہیں۔ آنسو اب سجل کہ آنکھوں سے بھی قطرہ قطرہ بہہ کہ اسکے بالوں میں گم ہو رہے تھے۔

"بیٹا مرد خاندان بغاوت کرکے ایک فیصلہ کر تو لیتا ہے لیکن پھر جلد ہی اس پہ پچھتانے لگتا ہے۔ اسکی پسند بہترین بھی ہو تب

بھی اسے اسمیں کجیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ وہ اپنے ماں باپ
بہن بھائیوں کے سامنے خود کو گلٹی فیل کرنے لگتا ہے اسے لگتا
ہے کہ اسنے اپنی پسند کی شادی کرکے خود کو خاندان سے الگ
کرلیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سوچ اسکے دماغ کو مکمل طور پر گھیر
لیتی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب اسکا پیمانۂ صبر لبریز
ہوجاتا ہے اور وہ اپنی نکاح کو قربان کرکے اپنے خونی رشتوں کی
نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام بحال کرنے کی سعی کر ڈالتا ہے۔"
سطوت یاسیت سے بول رہی تھیں۔ "اور جہاں تک اولاد کی بات
ہے نا بیٹا تو ٹھکرائی ہوئی عورت کی اولاد مرد کیلیئے صرف ایک
ضد ہوتی ہے اور بس۔۔ ضد سے محبت کب کی جاتی ہے۔"

سطوت کی بات ختم ہوچکی تھی۔
"اتنے دکھوں سے بہتر ہے کہ انسان محبت ہی نہ کرے۔۔ ہے ناں امی۔" اس نے انکے چہرے پہ بکھرے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔
"محبت شعوری کوشش سے کی جاسکتی تو کوئی بھی نہ کرتا بیٹا۔۔ محبت تو بس ہو جاتی ہے۔" سطوت گہری سانس بھر کر بولیں۔
سجل کے تصور میں چھم سے دو سیاہ چمکتی، بہت کچھ کہتی آنکھیں اتر آئیں۔ سطوت ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں، اگر محبت شعوری کوشش کا نتیجہ ہوتی سجل نوید محبت کیلیئے شہیر مرزا کا انتخاب کبھی نہ کرتی۔ محبت تو بے اختیاری کا نام ہے۔ اسے شہیر مرزا

سے محبت ہو گئی تھی۔۔ اسے اب مزید سطوت سے کچھ نہیں پوچھنا تھا۔ اسکے ہر ہر سوال کا جواب ایک طرف تھا۔۔ مگر دل میں پوری طرح اپنے پنجے گاڑے بیٹھی اس محبت کو ٹھکرا دینے کی تکلیف ایک طرف۔۔ محبت پالینا۔۔ محبت کا کھو جانا۔۔ دونوں صورتیں ہی روح کو چھلنی کر دینے والی تھیں۔ اس نے دوسرا رستہ چن لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے عزت سے جینا تھا۔۔ شہیر مرزا کو نوید احمد بنتے ہوئے وہ نہ دیکھنا چاہتی تھی سو اس نے روز روز کے مرنے پر ایکبار کے مرنے کو ترجیح دے ڈالی تھی۔

سنو ! اے چاند سی لڑکی

ابھی تم کہہ رہی تھی ناں
تمہیں مجھ سے محبت ہو نہیں سکتی
چلو مانا کہ یہ سچ ہے
مگر اے چاند سی لڑکی
مجھے اتنا بتاؤ تم
کہ جب موسم بدلتے ہیں
گلوں میں رنگ بھرتے ہیں
تو کیوں مضطرب ہو کر
اکیلے پن سے گھبرا کر
ہوا کو راز دیتی ہو

مجھے آواز دیتی ہو

سنو! اے چاند سی لڑکی

تمہارے سامنے میرا کوئی جب نام لیتا ہے

تو پھر کیوں چونک جاتی ہو

چلو مانا تمہیں مجھ سے محبت ہو نہیں سکتی

مگر اتنا سمجھ لو تم جہاں چاہت نہیں ہوتی

وہاں نفرت کے ہونے کا کوئی امکاں نہیں ہوتا

میرا دعویٰ ہے چاہت میں

جہاں نفرت نہیں ہوتی

وہاں اکثر یہ دیکھا ہے

اگر کچھ وقت کٹ جائے

سمے کی دھول چھٹ جائے

تو وحشت بھاگ جاتی ہے

محبت جاگ جاتی ہے

محبت جاگ جاتی ہے ....

کچھ دیر قبل شہیر کیطرف سے واٹس ایپ پہ موصول ہونے والے voice message کو سن کر اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ محبت کی شدتوں سے نظریں چرانا کتنا کٹھن مرحلہ تھا۔ اس نے وہ پیغام سہ بار سنا اور پھر کانوں سے ہینڈ فری اتار کر موبائل تکیے کے نیچے ڈال دیا اور کمبل منہ تک اوڑھ کر لیٹ

گئی۔ آنسو قطرہ قطرہ اسکی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔
میں یہ آپ سے کیسے کہہ دوں شہیر کہ مجھے بھی آپ سے" محبت ہے۔ اظہارِ محبت تو بہت آسان کام ہے۔۔۔ لیکن اس محبت کو نبھانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا دل لمحہ لمحہ آپکو پکارتا ہے۔ "وہ دل ہی دل میں شہیر مرزا سے مخاطب تھی۔ "مگر کیا فائدہ کہ دنیا بھر سے بغاوت کرکے جس محبت کو ہم حاصل کریں اسے ایک اچھے انجام تک نہ پہنچا سکیں۔ "وہ برستی آنکھوں کیساتھ شہیر تک اپنے دل کا پیغام بزبانِ خاموشی پہنچا رہی تھی اور اپنے کمرے کی کھڑی کی قریب کھڑا شہیر نے خامشی کے اس پیام کو حرف حرف سنا تھا۔ وہ

نازک سی لڑکی رویوں کو سہہ چکی تھی۔۔ محبتوں کو برت چکی تھی۔۔ اسکا انکار فطری تھا۔۔ مگر شہیر مرزا کو اپنے جذبوں کی صداقت پر کامل یقین تھا۔ اس نے سجل سے اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں کیساتھ محبت کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کانچ کی گڑیا کے دل کے تمام وسوسوں اور اندیشوں کو دور کردے گا۔

اقصیٰ اپنے ڈیپارٹمنٹ کیساتھ ٹرپ کیلیئے مری گئی ہوئی تھی۔ سعد کو دو دن سے بخار تھا. سجل کا بھی یونیورسٹی جانے کا دل تو نہ چاہ رہا تھا لیکن سیشنل کی وجہ سے وہ بے دلی سے تیار ہو رہی تھی۔ بالوں کی چوٹی گوندھتے ہوئے وہ اکتائی ہوئی سی تھی۔ تبھی

دروازے پہ دستک ہوئی۔
آجاؤ۔ "وہ مصروف سے انداز میں بولی۔ لیکن دروازہ کھلنے پر"
آئینے میں ابھرتے شہیر کے عکس کو دیکھ کر چوٹی کے بل ڈالتے
اسکے ہاتھ رک گئے۔ وہ بے تحاشہ پلٹی پھر لپک کر بستر سے
دوپٹہ اٹھا کر سر اور سینے پہ اچھی طرح پھیلانے میں اسے بس دو
سیکنڈ ہی لگے ہونگے۔
آ..آپ .. کیوں آئے ہیں یہاں؟ "وہ سخت لہجے میں بولی۔"
اپنے سوال کا جواب سننے آیا ہوں۔ "اس نے شرارت آمیز"
لہجے میں کہا۔
میں آپکو جواب دے چکی ہوں میرے پاس اور کوئی جواب"

نہیں ہے۔"اس نے سنگلاخ لہجے میں جواب دیا تو شہیر جھنجھلا گیا۔

آخر کیوں سجل ..آخر تم کیوں جھٹلا رہی ہو اس حقیقت کو جو" تمہاری آنکھوں میں واضح طور پہ تحریر ہے۔"وہ اسکا بازو تھام کر سخت لہجے میں بولا۔

چھوڑیں میرا بازو یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔"اسنے بازو" چھڑوانے کی سعی کرتے ہوئے گھبراہٹ سے پُر لہجے میں کہا۔

میں تم سے صرف اپنے سوال کا سچ سچ جواب سننا چاہتا" ہوں۔"شہیر نے اسکی کلائی چھوڑ کر نرم لہجے میں کہا۔

میں جواب دے چکی ہوں آپ جائیں یہاں سے۔"وہ انتہائی"

رکھائی سے دروازے کیطرف اشارہ کرکے بولی تو شہیر کے چہرے پہ پھیلا نرمی کا تاثر یکدم غائب ہوگیا۔

"تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔"

بالکل کر رہی ہوں . کیونکہ آپ میری انسلٹ کا باعث بننا چاہتے ہیں۔ "وہ دوبدو بولی۔

واٹ .. میں تمہاری انسلٹ کا باعث بننا چاہتا ہوں . کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو۔ "وہ از حد حیرت سے بولا۔

ہاں میں بالکل ہوش میں ہوں۔ آپ کو معلوم تھا کہ اقصیٰ نہیں ہے اسلیئے آپ ادھر چلے آئے تاکہ مجھے بد نامی کے ڈر سے اظہارِ محبت کرنا ہی پڑے۔ "وہ زہر خند لہجے میں بولتی چلی گئ۔

"شٹ اپ۔۔ تم مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو۔ شیم آن یو۔"

"آپ۔۔۔"

مزید ایک لفظ مت بولنا سجل۔ "اس نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم سمجھتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ فلرٹ کر رہا ہوں۔ سجل بی بی فلرٹ کرنے کی عمر سے میں کب کا نکل چکا ہوں، میں ایک تیس سال کا میچیور مرد ہوں اور تمہارے ساتھ میرا افیئر چلانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ All I want is to marry you" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔ "اور ہاں میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ ڈرائیور آج نہیں آیا اسلیئے تم میرے ساتھ یونیورسٹی چلی چلو۔ کیونکہ ابو اور چاچو

بھی جا چکے ہیں۔ لیکن تم نے پتہ نہیں کیا کیا سوچ لیا۔" وہ تاسف سے بولتا ہوا دروازے کیطرف بڑھا۔ سجل کا دل دھڑکا۔

شہیر رکیں۔" اس نے ہمت کرکے اسے پکارا۔ وہ دروازے کے" قریب رک گیا مگر پلٹا نہیں۔

آئم سوری۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ شہیر نے ذرا سی" گردن موڑ کر اس کی طرد دیکھا۔ سجل کی دلنواز نیلی آنکھوں میں ندامت تھی۔

اٹس اوکے۔" اسکا لہجہ ناخوشگوار تھا۔"

آپ یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہیں کہ آپ ساحرہ آپی کے علاوہ" کسی اور سے شادی کرلیں گے۔" وہ الجھن آمیز انداز میں پوچھ

بیٹھی۔ شہیر نے پلٹ کر اسکی طرف دیکھا۔
"کیوں نہیں سوچ سکتا۔"
"یو آر انگیجڈ۔ بچپن سے رشتہ طے ہے آپکا انکے ساتھ۔"
لیکن وہ بڑوں کا فیصلہ تھا سجل میرے دل کی کوئی خوشی اس
فیصلے میں شامل نہیں رہی کبھی۔"
"تو کیا آپکی نظر میں بڑوں کے فیصلوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"
اہمیت کیوں نہیں ہے سجل .. میں نے ساحرہ سے منگنی دادا جان
کی خواہش کے احترام میں کی اور شادی بھی اسی سے کرتا اگر تم
میری زندگی میں نہ آتی۔ شادی دل کی خوشی کا نام ہے سجل اور
میرے دل کی تمام خوشیاں تم سے منسوب ہوگئی ہیں۔ میں تم

سے محبت کرتا ہوں اور زندگی بھی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

محبت۔۔"وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔"اور اس محبت کی مدت کیا ہوگی؟ چند سال بس ..اس کے بعد یہی محبت آپکو بوجھ لگنے لگی۔ ماں باپ بہن بھائیوں اور خاندان والوں کی آنکھوں میں طنز اور زبانوں کے نفرت انگیز تیر آپ کو اپنی ہی محبت سے نفرت میں مبتلا کردینگے اور پھر آپ اپنے خاندان کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر محبت کو اٹھا کو کچرے کے ڈبے میں ڈال دینگے۔"

تم یہ سب دعوے اتنے یقین سے کیسے کر سکتی ہو۔"وہ چڑ گیا۔"

کیونکہ میں نے یہ سب ہوتے دیکھا ہے۔" وہ دبی دبی آواز "
میں چلائی۔ "میرے ابو نے جس محبت کی خاطر سارے زمانے
سے بغاوت کی تھی اسی محبت کی قربانی دے کر انہوں نے اپنے
خاندان کی نظروں میں سرخرو ہونا چاہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بھی
حاصل نہ کرسکے۔ ساری ماں اور بہن بھائیوں کے طعنے سنتے
رہے۔ ساری زندگی انہوں نے قیدِ تنہائی کی سزا کاٹی۔ نہ بیوی
سے محبت کرسکے نہ بیٹی سے اور ادھر میری امی نے جیسی زندگی
گزاری وہ تو آپ مجھ سے بہتر طور پہ جانتے ہیں۔ مغل ہاؤس
کے سب افراد کی بے دام غلام بن کر انہوں نے ساری جوانی
بِتادی اور انکے اس حال کی ذمے دار صرف اور صرف محبت

ہے۔" وہ جذباتی انداز میں تیز تیز بولتی جارہی تھی۔ اور شہیر۔۔ وہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سکون سے کھڑا اسکا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔

"معاشرے کے تو یہ rigid رویوں کا قصور ہوا ناں سجل محبت کو کیوں موردِ الزام ٹھہرا رہی ہو۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"وجہ ہے قصور محبت کا۔ ابو نے اپنی بچپن کی منگنی اس محبت کی وجہ سے توڑ دی تھی۔ جانتے ہیں وہ انکی سگی ماموں زاد تھی۔ ابو کی امی سے شادی کی وجہ سے ابو کے ماموں نے ابو کی فیملی کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ اور امی۔۔ انہوں نے نانا جان کا دل دکھایا تھا وہ انہیں پڑھانا چاہتے تھے مگر انہوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔"

ہاں تو اسمیں کیا برائی ہے ..شادی کرنا انکا شرعی و قانونی حق تھا۔ "شہیر نے اسکی بات کاٹی۔ "اور جہاں تک بات ہے تمہارے والد کی تو بچپن کی منگنی توڑ دینا کوئی گناہِ عظیم نہیں ہے۔ یہ پیرنٹس کے سوچنے کی باتیں ہیں سجل کہ جن دو بچوں کو وہ ایک دوسرے سے منسوب کررہے ہیں آیا وہ شعور کی سرحد پار کرکے بھی اس رشتے کو نبھانا چاہیں گے یا انکی پسند یکسر مختلف ہوجائیگی۔ میں اپنی مثال دیتا ہوں۔ بچپن سے میں نے اپنے نام کیساتھ ساحرہ کا نام سنا مگر آج تک مجھے اسمیں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی حالانکہ وہ ایک بہترین لڑکی ہے خوبصورت ہے لائق ہے ڈیسنٹ ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس سے محبت

کرسکوں مگر میں نہیں کر سکا۔ کیونکہ محبت شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتی، یہ تو بس ہو جاتی ہے۔۔ میں تیس سالوں میں ساحرہ سے محبت نہ کر سکا۔ تمہارے ہاتھ کی بنی دو چمچ چینی والی چائے کا پہلا سپ لیتے ہوئے مجھے تیس سیکنڈ میں تم سے محبت ہو گئی تھی سجل۔" شہیر کا لہجہ مدھم ہو گیا تھا۔ اسکے آخری جملے پہ سجل نے گہری سانس بھری اور رخ موڑ کر اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

تم اس لیئے ڈرتی ہو ناں سجل کہ کہیں تمہاری زندگی بھی" سطوت پھپھو جیسی نہ ہو جائے کہیں تمہیں بھی محبت کرنے کی سزا نہ بھگتنی پڑے۔" وہ اسکے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ سجل نے سر

اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

کیا یہ ڈر غلط ہے؟ "وہ کرب سے پوچھ رہی تھی۔"

بالکل غلط ہے سجل .. تم سطوت ہو نہ میں نوید احمد .. اُن"
دونوں کی کہانی ہم جیسی نہ تھی اور نہ ہماری کہانی ان جیسی
"ہو گی۔

ہو بھی تو سکتی ہے۔ محبت تو ہے ہی زندگی کا سکون برباد کرنے"
"کا نام۔

غلط .. بالکل غلط ... محبت دلوں کا سکون ہے سجل۔ تم محبت کو"
قصوروار کہتی ہو۔ میں کہتا ہوں نہیں یہ معاشرہ قصوروار ہے۔
اس معاشرے میں رائج ہندوانہ خاندانی نظام قصوروار ہے۔ ہمارا

"دین ہر باشعور انسان کو پسند کی شادی کا حق دیتا ہے۔
ہمارا دین قطعہء رحمی سے بھی منع کرتا ہے۔"سجل کا لہجہ
جتانے والا تھا۔
بالکل منع کرتا ہے اور قطعہء رحمی کوئی بھی نہیں کرنا چاہتا"
سجل۔ اصل مسئلہ تو رویوں کا ہے۔ کس نے حق دیا ہے خون کے
رشتوں کو کہ وہ ایک بالغ انسان سے اسکا جائز حق چھین لیں۔
ماں باپ کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے سجل۔ شادی ہر عاقل و
بالغ کا شرعی حق ہے اور اگر کوئی بچہ اپنی پسند کا اظہار کردے تو
اس سے دشمنی باندھ لینے کہ بجائے اسکی پسند کو کھلے دل سے
تسلیم کرلینا چاہیئے۔ ورنہ نکاح مشکل اور زنا آسان ہوجاتا ہے

اور یہی ہو رہا ہے ہماری سوسائٹی میں۔ مرد ماں کے رونے دھونے کے دباؤ میں آ کر اسکی پسند کی بیوی گھر میں ڈال کر باہر زنا کرتے پھرتے ہیں اور عورت باپ کی عزت کا ڈھول گلے میں ڈال کر ساری عمر کسی اور مرد کے پہلو میں بیٹھ کر کسی اور مرد کے تصور سے اپنا دل سجائے رہتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے سجل؟ اگر نکاح کو آسان کر دیا جائے تو یہ سب برائیاں ختم ہو جائیں۔ اگر تمہاری دادی سطوت پھپھو سے بیر باندھ لینے کی بجائے ان کو کھلے دل سے تسلیم کر لیتیں تو کبھی بھی زندگی میں یہ طوفان نہ آتے۔ اور سجل قصوروار تو تمارے باپ جیسے مرد بھی ہیں جو محبوبہ بیوی بنا کر گھر لانے کیلیئے تو سر

دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ مگر بیوی بنا لینے کے بعد اس نازک آبگینے کو نفرت انگیز رویوں کی ٹھوکروں کی زد میں تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔" وہ جب بولنے پہ آیا تو اسکا قائل کر لینے والا انداز اور مضبوط دلائل نے سجل کو بھی دم بخود کر دیا تھا۔ چند لمحوں تک کمرے کی فضاء ساکت رہی۔

میں آپکی کسی بات سے اختلاف نہیں کر سکتی۔ لیکن میں اس" سوسائٹی سے بغاوت نہیں کر سکتی۔ میں اپنے امی ابو والی غلطی نہیں دہرا سکتی۔" اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

کیا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے سجل۔" شہیر نے دکھ سے" پوچھا۔

آپ پلیز جائیں ,میں نے اس گھر میں بہت محنت سے اپنی" تھوڑی سی عزت بنائی ہے۔"اس نے بے مروتی سے پر لہجے میں کہا تو شہیر کے چہرے پہ عجیب سے کرب کے آثار ابھرے لیکن وہ کچھ بھی کہے بناء کمرے سے چلا گیا تھا۔ اسکے جاتے ہی وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے کاؤچ پہ بیٹھ گئ۔ شہیر کے دلائل بہت وزن دار تھے مگر وہ معاشرے سے بغاوت کی ہمت اپنے اندر کیسے پیدا کرتی۔ وہ بہت بزدل تھی۔ وہ کیسے شہیر کا ہاتھ تھام کر سارے زمانے کے سامنے سینہ سپر ہوجاتی۔ اسکے پاس شہیر کا دل توڑنے کے علاوہ اور کوئی رستہ نہ تھا۔

بہت آسان ہے کہنا
محبت ہم بھی کرتے ہیں
مگر مطلب محبت کا
سمجھ لینا نہیں آسان
محبت پا کے کھو دینا
محبت کھو کے پا لینا
یہ ان لوگوں کے قصے ہیں
محبت کے جو مجرم ہیں
جو مل جانے پر ہنستے ہیں
بچھڑ جانے پہ روتے ہیں

سنو..!

محبت کرنے والے تو
بہت خاموش ہوتے ہیں
جو قربت میں بھی جیتے ہیں
جو فرقت میں بھی جیتے ہیں
نہ وہ فریاد کرتے ہیں
نہ وہ اشکوں کو پیتے ہیں
محبت کے کسی بھی لفظ کا چرچا نہیں کرتے
وہ مر کے بھی اپنی چاہت کو کبھی رسوا نہیں کرتے
بہت آسان ہے کہنا

محبت ہم بھی کرتے ہیں

رات کے آخری پہر سجل کے نمبر سے موصول ہونے والے اس پیغام کو پڑھنے کے بعد اس کے دل میں عجیب سا سناٹا اُتر آیا تھا۔ وہ اسکی محبت پہ چوٹ کر رہی تھی ..وہ اسے محبت کرنے کے آداب بتا رہی تھی ..وہ چھوٹی سی معصوم سی لڑکی کیسی کٹھور تھی، کیسی سنگدل تھی کہ اس کی ہر بات کو دل سے تسلیم کر لینے کے باوجود اپنے فیصلے پر قائم تھی اور اسے بھی محبت سے جدا ہو کر جینے کا درس دے رہی تھی۔ شہیر نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ ٹھنڈی یخ ہوا کے جھونکے اندر آنے لگے.۔ مگر

یہ سرد ہوا بھی اسکے سلگتے ہوئے دل کو سکون نہ دے سکی تھی۔ سجل کی محبت تو اسکی روح میں اتر چکی تھی وہ کیسے اس محبت سے دامن چھڑا کر مزے سے اپنی ایک نئ زندگی شروع کر دیتا۔ اسے ساحرہ کیساتھ اپنی منگنی ایک بوجھ لگنے لگی تھی۔ اور اس میں اتنی جرات تھی کہ وہ سب گھر والوں کے سامنے سجل کی محبت کو تسلیم کرلیتا مگر سجل کی بزدلی اس کے پاؤں کی زنجیر بن رہی تھی۔ رات کے اس پہر شہیر مرزا کا دل بے اختیار چاہا تھا کہ وہ اپنے ماضی سے بچپن کی نسبت کو مٹا ڈالے اور پھر شاید سجل اس کا ساتھ قبول کرلے۔ مگر وہ بہت بے بس تھا ماضی میں ترمیم کرنے سے وہ قاصر تھا اور مستقبل پر اس ماضی کے بہت

گہرے نقوش مرتب ہونے والے تھے۔

بہار کا موسم پھر سے لوٹ آیا تھا۔ پیڑوں نے سبز لباس پہن لیا تھا۔ فضا میں ہزاروں پھولوں کی مہک چکرانے لگی تھی۔ مغل ہاؤس کے بڑے سے لان میں بھی ہر سو بکھرہ سبزہ آنکھوں کو خیرہ کرتا تھا۔ مختلف پھولوں سے سجی کیاریاں ماحول کو خوش رنگ حسن عطا کرتی تھیں۔ جھیل پہ سایہ فگن درخت پر بھی پھر سے سفید پھول کھلنے لگے تھے۔ بہار کے رنگ ہر سو پھیل چکے تھے۔ اس روز شام کے وقت سعد اور اقصیٰ کو لان میں بیڈمنٹن کھیلنے کا شوق چرایا۔ وہ دونوں اسے بھی زبردستی لان میں لے

آئے اسے کھیلنا تو کچھ خاص نہ آتا تھا سو وہ ایک جانب رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ کر انہیں کھیلتے ہوئے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد بقیہ گھر والے بھی ایک اک کر کے لان میں ہی چلے آئے۔ بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ سعد اور اقصیٰ نے خوب شور مچا رکھا تھا۔ خواتین برآمدے میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں۔ سعد ریکٹ ہاتھ میں گھماتا ہوا اسکے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

اوئے اٹھو تم اب تم کھیلو میرے ساتھ۔ اقصیٰ کو تو پے در پے" چار راؤنڈز میں شکستِ فاش دے چکا ہوں۔"سعد نے اسکے سر پہ ٹھوکا دے کر کہا۔ سجل نے اکتائے ہوئے انداز میں سر اٹھا کر

اسکی طرف دیکھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا سعد بھائی۔"

اٹھو زیادہ ڈرامے مت کرو۔ "سعد نے زبردستی اسے ریکٹ تھما ہی دیا تھا۔ وہ ناچار اٹھ کر کھیلنے کیلیئے آ کھڑی ہوئی۔

واؤ سجل تم نے سعدی سے گن گن کر بدلے لینے ہیں۔ "اقصیٰ" زور سے چلائی۔ سجل نے کبھی خواب میں بھی بیڈمنٹن نہیں کھیلی تھی سو سعد نے پہلے ہی راؤنڈ میں اسے شکستِ فاش دیدی۔ اور اس نے ریکٹ اقصیٰ کیطرف بڑھا دیا۔

میں نے نہیں کھیلنا اور۔ "وہ برا سا منہ بنا کر بولی تھی۔ "تبھی ساحرہ اور شہیر کی گاڑیاں آگے پیچھے پھاٹک سے اندر آئیں۔

شیری بھیا آ گئے۔ سعد شیری بھیا کیساتھ گیم لگانی ہے۔ "اقصیٰ" نے سعد کو مخاطب کیا تو وہ بھی ایکسائٹڈ نظر آنے لگا۔ شہیر اور ساحرہ اپنی اپنی گاڑیاں پورچ میں کھڑی کر کے لان کیطرف ہی نکل آئے۔ سعد اور اقصیٰ بھاگ کر ان دونوں کیطرف لپکے۔ شیری بھیا یہ بیگ ادھر دیں اور سعدی کیساتھ گیم لگائیں اس" نے مجھے اتنی بار ہرایا ہے۔ "اقصیٰ نے شہیر کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لیتے ہوئے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ شہیر نے ایک گہری سانس بھری پھر کوٹ بھی اتار کر اقصیٰ کو تھمایا اور کف کے بٹن کھول کر آستینیں کہنیوں تک فولڈ کر کے اقصیٰ کے ہاتھ سے ریکٹ لے لیا۔

.چلو سعد۔"اس نے سعد کو چیلنج کرنے والے انداز میں کہا"

اقصیٰ کی ایکسائیٹمنٹ عروج پہ تھی۔

"آئیں ساحرہ آپی ! ہم سعدی کی ہار کا منظر انجوائے کرتے ہیں۔"

وہ ساحرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ لیئے سجل کیطرف چلی آئی جو لان چئیرز میں سے ایک پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اقصیٰ نے شہیر کا لیپ ٹاپ اور کوٹ میز پہ رکھا اور وہ دونوں بھی کرسیوں پہ بیٹھ گئیں۔ شہیر اور سعد کے درمیان میچ شروع ہوا۔ شہیر سعد سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہورہا تھا۔ سجل انہماک سے اسکو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ شہیر نے سعد کو دس منٹوں میں ہی ہانپنے پر مجبور کردیا تھا۔ اقصیٰ خوب شور مچا رہی تھی۔ ساحرہ بھی سعد

کی ہئیت کذائی پہ ہنس رہی تھی۔

کیوں بیٹا تھک گئے؟ "شہیر نے سعد کو للکارا۔"

ارے نہیں میں نہیں تھکتا .آئم ریڈی۔ "سعد نے فوراً سینہ" پھلا کر کہا اور پھر سے اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ شہیر نے زبردست سمیش لگائی اور سعد اچک کر بھی ریکٹ ہوا میں ہی گھماتا رہ گیا۔

ہار مان لو سعدی۔ "ساحرہ نے آواز لگائی۔"

جی نہیں۔ "وہ وہیں سے چلایا۔ شہیر نے سعد کو ایکبار پھر خوب" تھکا ڈالا اور بالاآخر سعد نے ہار مان ہی لی۔ شہیر کے اسٹیمنا کے آگے وہ نہیں ٹک سکتا تھا۔

میں ہارا بھئی۔ "اس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔"

ہاہا۔ "شہیر نے بے اختیار کھل کر ہنستے ہوئے ریکٹ ہوا میں" لہرایا سجل بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ونڈر فل۔ "وہ داد دیئے بناء نہ رہ سکی تھی۔ اس سمے سجل کے" چہرے اور آنکھوں پہ اک عجیب سے خوشی تھی ساحرہ کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اقصیٰ بھی اٹھی۔ شہیر دوڑتا ہوا انکے قریب چلا آیا۔ اسکے چہرے پہ پسینے کے قطرات چمک رہے تھے اور سانس پھول رہی تھی مگر اسکی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔

سعدی اب پلیز رونا مت شروع کر دینا۔ "اقصیٰ نے شہیر کے"

عقب میں سست قدموں سے اس طرف آتے ہوئے سعد کو چھیڑا۔

آپ بہت اچھا کھیلے۔ "سجل نے بچوں کی سی خوشی سے شہیر کو" کہا۔ وہ اسکی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

تھینک یو۔ "وہ ذرا سا سر خم کرکے بولا۔ "اب ایک کپ اچھی" سی چائے پلوادو۔ "وہ اس سے مخاطب تھا اور اس سمے وہ ارد گرد کھڑے تمام نفوس سے مکمل بے گانہ نظر آرہا تھا۔ سجل کے برابر میں کھڑی ساحرہ کی سنجیدہ سی نظریں ان دونوں کے چہروں کا طواف کر رہی تھیں۔

ہاں سجل یار چائے پلواؤ یار تم بہت اچھی چائے بناتی ہو۔ "سعد"

بھی انکے پاس چلا آیا۔
اوکے ابھی لاتی ہوں۔"سجل مسکراتے ہوئے بول کر پلٹی اور
رہائشی عمارت کیطرف بڑھ گئی تھی۔ اقصیٰ اور سعد آپس میں
الجھنے لگے تھے جبکہ ساحرہ کی نظریں شہیر کی طرف تھیں جو
گردن موڑے تب تک سجل کو دیکھتا رہا تھا جب تک وہ گھر کے
اندر نہیں چلی گئی تھی۔ اسکی سیاہ آنکھوں میں کتنا شوق تھا کیسی
چاہت تھی کیسی بے خودی تھی۔ ساحرہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ
گئی تھی اسے اپنا آپ اس ماحول سے بہت الگ لگا تھا۔ اقصیٰ اور
سعد نے بھی اسے نہ روکا تھا۔ اور شہیر ..اسکے دھیان کا مرکز وہ
تھی ہی کب ..وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

سجل سنو۔ "وہ فجر کے بعد جھیل کے پاس ٹہل رہی تھی جب" شہیر کی پکار پہ چونک گئی۔ وہ سیاہ ٹریک سوٹ میں پسینے پسینے سے بھیگا چہرا اور غیر متوازن تنفس لیئے اس سے کچھ فاصلے پہ موجود تھا۔

جی ..اسلام علیکم ! "وہ سنجیدہ لہجہ اختیار کر کے بولی۔"

"وعلیکم السلام ! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔"

سجل ! تم نے کیا سوچا؟ "وہ ایک قدم آگے بڑھ آیا۔"

کس کے متعلق؟ "وہ جان کر بھی انجان بن گئی۔"

تم جانتی ہو۔"وہ بھی سنجیدہ تھا۔ سجل نے ذرا سا رخ پھیر لیا۔"
"میں آپکو بتا چکی ہوں سب۔"
سجل میں نہیں مانوں گا اس جواب کو کبھی بھی۔"وہ قطعیت"
سے بولا۔
آپکی مرضی۔"اسنے جانے کو قدم آگے بڑھائے۔ شہیر نے"
تیزی سے آگے بڑھ کر اسکی کلائی تھام لی۔
سجل اتنی کٹھور کیوں بن رہی ہو۔ میں تم سے بہت محبت کرتا"
"ہوں۔
بازو چھوڑیں میرا۔ کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا۔"وہ سخت"
لہجے میں بولی تو شہیر نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے روبرو کرلیا۔

۔تم آخر چاہتی کیا ہو؟ کیوں خود کو اور مجھے اذیت دے رہی ہو؟" وہ براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولا تھا۔ سجل کی نیلی آنکھوں میں خوف تھا۔

مجھے جانے دیں پلیز۔ "وہ رو دینے کو تھی۔"

سجل۔ "وہ جیسے اکتا گیا تھا۔"

شہیر پلیز۔۔ "اسکی آنکھوں سے دو آنسو گالوں پہ لڑھک آئے" تھے۔ شہیر نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گھر کیطرف بڑھ گیا۔ سجل نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ آنسو تیزی سے اسکے گال بھگوتے جا رہے تھے۔

روحینہ کی ویڈنگ اینی ورسری تھی۔ سب گھر والے وہاں جارہے تھے۔ لیکن سجل کو ایک بہت اہم اسائمنٹ پر کام کرنا تھا اسلیئے وہ گھر پر ہی رک گئ تھی۔ ساحرہ کسی ایمرجنسی کیس کے سلسلے میں تمام رات اسپتال میں رہی تھی، اسلیئے گھر آکر اس نے سختی سے یہ ہدایت کردی تھی کہ جب تک وہ خود سے بھی نہ جاگے اسے نہ جگایا جائے۔ فنکشن روحینہ کے گھر پر تھا۔ مغل ہاؤس کے افراد سرِشام ہی وہاں چلے گئے تھے۔ اقصیٰ نے اسے بہت بار ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر وہ چاہ کر بھی حامی نہ بھر سکی تھی۔ ایک تو اسائمنٹ کا کام تھا اور دوسری جانب وہ شہیر کا سامنا نہیں کرنا

چاہتی تھی۔ ان سب کے جانے کے بعد وہ لائبریری میں آ بیٹھی اور اسائمنٹ پہ کام کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر گزری ہو گی جب باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی پھر کچھ لمحوں بعد مین ڈور کھلنے کی آواز آئی۔ وہ بے اختیار ہی اٹھ کر لائبریری سے باہر آئین راہ داری میں سامنے سے شہیر عجلت میں آتا دکھائی دیا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو رکا۔ سیاہ تھری پیس میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔

کیا ہوا؟ "اس نے سجل سے پوچھا۔"

کچھ نہیں وہ میں حیران ہو رہی تھی کی اتنی جلدی سب واپس" بھی آ گئے۔ "وہ اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے جواباً بولی۔

میں اپنا موبائل گھر بھول گیا تھا وہی لینے آیا ہوں۔" وہ اسے جواب دیکر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ سجل وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ شہیر سے بات کرنا چاہتی تھی اور یہ ایک موزوں موقع تھا۔ اسے شہیر کو سمجھانا تھا کہ عزت، محبت سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس نے شہیر سے ابھی بات کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور وہیں کھڑی رہی۔ شہیر دو منٹ بعد ہی اپنا موبائل لیئے کمرے سے نکل آیا تھا۔

مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ ہمت کرکے بولی تو وہ رک گیا۔

سب کچھ کہہ تو چکی ہو تم سجل ...اب اور کیا باقی ہے۔" وہ

تھکے تھکے انداز میں بولا تھا۔

"زیادہ وقت نہیں لوں گی آپکا۔"

شہیر کے خوبصورت چہرے پہ پھیلی تھکن اور مایوسی نے اسے از حد دکھ پہنچایا تھا مگر وہ اپنی دانست میں اسے عمر بھر کے دکھ سے بچانا چاہتی تھی۔

سجل.. "شہیر نے کرب سے آنکھیں سکیڑ لیں۔ "اور کتنی سزا دو گی مجھے۔ صرف محبت ہی تو کی ہے میں نے تم سے۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم تو نہیں۔"

میں آپ کو سزا نہیں دینا چاہتی ..بلکہ سزا سے ہی تو بچانا چاہتی ہوں آپکو۔"

میری محبت کو ٹھکرا کر کہتی ہو کہ سزا نہیں دینا چاہتی۔۔ "وہ کرب کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔ سجل کی خوبصورت آنکھوں میں ایک تلاطم سا اٹھا اور اگلے ہی لمحے وہ پلٹ کر لائبریری کے اندر چلی گئ۔ شہیر اسکے پیچھے اندر آیا تو وہ ایک کرسی کی پشت کا سہارا لیئے کھڑی اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

کیوں خود کو اور مجھے اذیت دے رہی ہو سجل؟ "اس کے لہجے میں درد تھا۔ "مان کیوں نہیں لیتی کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔"

ہاں ہے مجھے آپ سے محبت۔۔ "وہ جیسے تھک ہار کر بولی تھی۔" کیونکہ محبت تو بس ہو جاتی ہے مم غیر شعوری طور پر۔۔ لیکن"

شہیر میں غاصب نہیں کہلا سکتی۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ میری امی کو یہ طعنہ بھی سننے کو ملے کہ جیسی ماں تھی بیٹی بھی ویسے ہی نکلی۔۔ دوسروں کے حق پہ ڈاکہ ڈالنے والی۔۔

"غاصب۔

"لیکن سجل۔۔"

نہیں ..آج صرف میری سنیں۔"اس نے ہاتھ اٹھا کر اسکی"
بات کاٹی۔"آپ نے اس دن جو جو کچھ کہا وہ سب سو فیصد صحیح تھا۔ اگر ہمارے دین کے لیول پہ بھی دیکھا جائے تو ہماری سوسائٹی واقعی غلط روش پہ چل رہی ہے۔ ہمارے معاشرتی رویے اتنے بے لچک ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کے دل پہ پاؤں رکھ

کر آگے بڑھ جانے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ لیکن ہم اس سوسائٹی میں رہتے ہیں۔ ہم اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ہمیں یہیں رہنا ہے۔" وہ جیسے ہار مان گئی تھی، محبت سے۔۔ معاشرے سے۔۔

"میں نہیں مانتا سجل ..اگر یہ سوسائٹی غلط روش پہ چل رہی ..ہے تو اسکو ٹھیک بھی تو میں نے اور تم نے ہی کرنا ہے ناں کسی کو تو پہلا قدم اُٹھانا ہی ہے۔ تو پھر ہم کیوں نہیں سجل۔"

وہ اُمید و بیم کی کیفیت میں گھِرا ہوا تھا۔

"میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی کیونکہ میرے کندھوں پر میرے ماں اور باپ کی نامکمل آرزوؤں کا بوجھ ہے۔ مجھے انکی غلطیوں کا ازالہ کرنا ہے۔ میں اپنے مرے ہوئے باپ کیلیئے ایک

جیتا جاگتا طعنہ نہیں بن سکتی۔ میں اپنی ماں کا مان نہیں توڑ سکتی انہیں بہت یقین ہے کہ انکی سجل انکے جیسی بیٹی نہیں ہے وہ عمومیت کے سیلاب میں کبھی نہیں بہے گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔

اور میں سجل... "وہ از حد دکھ سے پوچھ رہا تھا۔"

آپ ساحرہ سے شادی کرینگے۔ محبت آپ کو ہوئی ہے کسی اور" سے انکو نہیں۔ خواب آپکے کسی اور سے وابستہ ہوئے ہیں انکے نہیں۔۔"

اور میری محبت سجل ... میری محبت اتنی بیکار ہے کیا؟ "اسکی" سیاہ آنکھیں کرب سے سرخ ہورہی تھیں۔

شہیر میں نے ساری زندگی اپنے ابو کو اپنے آپ کو ہی سزا" دیتے دیکھا، تنہائی کی سزا۔ اگر انکو احساسِ جرم تھا بھی تب بھی وہ نو ریٹنز پوائنٹ پہ جاچکے تھے۔ وہ مرتے دم تک سلگتے رہے اس آگ میں جو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔ ہاں وہ قصوروار تھے، شاید سب سے زیادہ قصوروار تھے۔ مگر وہ میرے باپ تھے میں نے ان سے بے پناہ محبت کی ہے وہ میرے سامنے پل پل مرتے رہے تھے اور بلاآخر موت سے ہمکنار ہوگئے۔" اس نے ہلکی سی سسکی لی۔ اسکا چہری آنسوؤں سے تر تھا۔ "میں نہیں چاہتی کہ آپ بھی ایسی ہی زندگی گزاریں شہیر۔ آپ کتنے بھی کیوں نہ ہوں مضبوط کیوں نہ ہوں مگر معاشرتی رویے تو loyal

نہیں بدلیں گے ناں۔۔ یہ دنیا تو آپکو طعنے دیتی رہے گی ناں۔ آپ بھی آخر انسان ہیں کب تک برداشت کر سکیں گے۔ آخر آپکا پیمانہ صبر لبریز ہو جائیگا۔" وہ ایک لحظہ کو بولتے بولتے رکی۔ "میں نے امی ابو سے بے حد محبت کی ہے اور انہیں ہمیشہ دکھوں میں گھِرے دیکھا۔ انکی زندگیوں میں تو میں کچھ بھی اچھا نہ لا سکی لیکن ایک اور محبت کو اسی تکلیف میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ اور شہیر محبت اور عزت میں سے ہمیشہ عزت کا ہی انتخاب کرنا چاہیئے۔ آپکی عزت آپکی فیملی سے ہے اور آپکی فیملی سجل نوید نہیں ہے۔" وہ مدھم لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے تیز قدموں سے چلتی لائبریری سے نکل گئی تھی۔ وہ اپنے محبوب

کی آنکھوں کی بجھتی ہوئی لَو نہ دیکھ سکتی تھی .اسے اپنی پہلی محبت کا سوگ تنہائی میں منانا تھا۔ اور دکھ کے اس عالم میں وہ لائبریری کے باہر دیوار کیساتھ قدرے تاریکی میں ہوکر کھڑی ساحرہ کو نہ دیکھ سکی تھی جس کے ہمیشہ لاپرواہی کے تاثرات سے پر چہرے پر اس سمے اک عجیب سے کرب کی تحریر تھی۔۔ شاید وہ اندر ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن چکی تھی۔

وہ پلٹ کر شکستہ قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ اور لائبریری میں گم صم سا کھڑا شہیر اپنی محبت کے یوں کھو جانے پر دو آنسو بھی نہ بہا سکا تھا کہ اُسے سجل کی ہر بات کا

بھرم رکھنا تھا۔

اور پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ زندگی نارمل ڈگر پہ چلتی رہی۔ گھر میں شہیر اور ساحرہ کی شادی کی تیاریوں کا تھوڑا تھوڑا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ ساحرہ کی وہی روٹین تھی اسپتال اور گھر۔۔ سجل، اقصیٰ اور سعد یونیورسٹی اور پڑھائی میں مصروف تھے۔ بقیہ مرد حضرات آفس میں بزی تھے۔ بظاہر سب کچھ نارمل تھا لیکن کہیں کچھ بہت غلط ہوگیا تھا۔ شہیر از حد خاموش رہنے لگا تھا اور سجل ...وہ سب کے سامنے نارمل نظر آنے کی بھرپور کوشش کرتی، شہیر اور ساحرہ کی شادی کی تیاریوں میں

بھی دلچسپی کا اظہات کرتی لیکن اسکا دل جیسے خالی ہو چکا تھا۔ اُس روز کے بعد سے شہیر نے ایکبار بھی اسے مخاطب نہ کیا تھا۔ اس نے جیسے چپ کی چادر اوڑھ لی تھی اور شہیر کی اس خاموشی سے اب وہ ڈرنے لگی تھی۔ اپنی شادی کی تیاریوں میں اسکی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ سجل کو احساس تھا کہ اس نے شہیر کی محبت پر مجبوریوں کے بند باندھ کر اسکے دل کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی لیکن وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ ایک مدت بعد سطوت کو مغل ہاؤس میں باعزت مقام ملا تھا، شہیر اور ساحرہ کی شادی کی تیاریوں میں رابعہ اور ثمینہ بیگم کیساتھ بھرپور حصہ لے رہی تھیں۔ انکی رائے کو مقدم سمجھا جارہا تھا اور سجل انکو

مسرور و شاد دیکھ کر مطمئن ہو جاتی۔ اپنی ماں کی مسکراہٹ کیلیئے تو وہ خود کو بھی قربان کرسکتی تھی ایک محبت کی کیا وقعت... مغل ہاؤس میں ہر سو مسرتیں تھیں اور سجل کو یہ سب دیکھ کر اپنی قربانی رائیگاں جاتی محسوس نہ ہوتی۔ اس نے ایک محبت کی قربانی دیکر بہت سے رشتوں کو بچا لیا تھا۔ دوسری جانب شہیر realize کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ خود جتنا بھی یہ مضبوط ہو مگر جب بھی وہ سجل کا نام گھر والوں کے سامنے لیتا سارا عتاب سطوت اور سجل پر نازل ہوتا۔ اور سطوت پھپھو جن کو ایک مدت کی مشقت کے بعد اس گھر میں اپنا کھویا ہوا مقام واپس ملا تھا اس کا آنِ واحد میں خاتمہ ہو جاتا۔ لڑائیوں اور

جھگڑوں کے بعد وہ یقیناً اپنی محبت تو حاصل کرلیتا لیکن عزت کہاں جاتی۔ یہ سب محبت کرنے والے لوگ اس سے اور سجل سے نفرت کرنے لگتے ..وہ سجل کو مزید دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ سجل نے مغل ہاؤس میں اپنی جگہ بڑی مشکل سے بنائی تھی وہ اس سے یہ خوشی نہیں چھین سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سجل کیلیئے یہ عزت والا مقام محبت سے کہیں بڑھ کر ہے اسلیئے اس نے اپنی محبت کا گلا گھونٹنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

تم نے ایک بات نوٹ کی ہے اقصیٰ؟ "سعد نے اسے مخاطب کیا۔ وہ دونوں اس وقت لان پر ٹہل رہے تھے۔ شام ہونے میں

ابھی وقت باقی تھا۔

کیا؟" اقصیٰ نے پوچھا۔ "

شیری بھیا کتنے چپ چپ رہنے لگے ہیں۔ وہ تو کبھی بھی خاموش" اور ریزروڈ نہیں تھے۔ لیکن اب تو ہمارے ساتھ مل کر بیٹھتے "تک نہیں ہیں بس سارا وقت کام میں ہی بزی رہتے ہیں۔

ہاں .. کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو واقعی شیری بھیا بہت چپ چپ" رہنے لگے ہیں۔ "اقصیٰ نے اسکی تائید کی۔

میری ذہن میں ایک خیال آتا ہے اقصیٰ۔ "سعد پر سوچ انداز" میں بولا۔

"کیسا خیال؟"

یار کہیں شیری بھیا اس شادی سے تو ناخوش نہیں ہیں؟"اس"
نے اپنے دل میں امڈتے خیال کو اقصیٰ کے سامنے بیان کر دیا۔
پتہ نہیں یار کیا بات ہے۔"اقصیٰ نے شانے اچکائے۔ "لیکن"
اگر وہ اس شادی سے خوش نہیں ہیں تو وہ گھروالوں سے کہہ سکتے

what's a big deal" ، ہیں

یہ بہت بڑی بات ہے اقصیٰ۔ سالوں پرانا رشتہ ختم کرنا کوئی"
"آسان کام ہوتا ہے کیا۔
"صرف منگنی کی کیا ویلیو ہوتی ہے سعد۔"
یہ بات میں اور تم تو آرام سے سمجھ سکتے ہیں مگر ہمارے"
بزرگوں کیلیئے یہ زندگی موت کا مسئلہ ہے۔"سعد نے حقیقت

پسندی سے جواب دیا۔
سعدی یہ بھی تو ہوسکتا ہے ناں کہ وہ کسی اور کو لائیک کرتے "
ہوں۔ "اقصیٰ پرسوچ انداز میں بولی۔
ممکن ہے کیونکہ منگنی تک تو وہ مطمئن نظر آتے تھے لیکن ادھر "
کچھ عرصے سے وہ اپنی شادی کے تذکرے سے بھی کتراتے
ہیں۔ "سعد نے بھی پرسوچ انداز میں جواب دیا۔
اگر وہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں تو انہیں ماما پاپا کو بتا دینا "
"چاہیئے۔ کیونکہ یہ ساحرہ آپی کیساتھ بھی زیادتی ہے۔
بتا تو دینا چاہیئے نجانے کیوں وہ اتنے چپ ہی۔ .یار آئی تھنک "
ایسا کچھ نہیں کیونکہ جتنا میں انہیں جانتا ہوں وہ محبتوں کو

"پوشیدہ رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔

"اللہ کرے سب ٹھیک ہی ہو سعدی۔ اب تو شادی میں صرف ڈیڑھ ماہ ہی رہ گیا ہے۔ "اقصیٰ متفکر تھی۔

"ہوں .. یار اللہ کرے۔ "سعد نے گہری سانس بھری۔ "سجل کہاں ہے؟

"کمرے میں گھسی بیٹھی ہے .کل کے پیپر کی تیاری کر رہی ہے۔

"پیپر تو ہمارا بھی ہے مگر ہم مزے سے واک کررہے ہیں۔" سعد مسکرایا۔

"ہم ٹینشن فری لوگ ہیں۔"

"سجل لائق بچی ہے ناں۔"

ایکسٹرا ہونق بچی کہو۔ "اقصیٰ منہ بنا کر بولی تو سعد ہنسنے لگا۔"

"خیر چلو اندر چلیں تھوڑا پڑھ ہی لینا چاہیئے اب۔"

ہاں چلو۔ "سورج مغرب کی جانب جھک رہا تھا۔ آسمان پہ شام کی سرخی پھیل رہی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے رہائشی عمارت کیطرف بڑھ گئے۔

انکے ایگزامز ختم ہونے کے فورا بعد ہی رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا تھا۔ اس بار یہ برکتوں والا مہینہ مغل ہاؤس کے مکینوں

کیلیئے بہت سی مصروفیات لے کر آیا تھا۔ شادی کی ابھی بہت سی تیاریاں باقی تھیں۔ افطار کے بعد رابعہ بیگم کبھی سطوت تو کبھی سجل یا اقصیٰ کو لے کر نکل جاتی تھیں۔ سجل دل پہ پتھر رکھ کر خوشی خوشی تیاریوں میں شریک تھی۔ شہیر نے بھی اپنے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجالی تھی۔ گھر والوں نے یہ طے کیا تھا کہ شہیر اور ساحرہ کی مہندی کے روز سعد اور اقصیٰ کی بھی باقاعدہ منگنی کی رسم ادا کر لی جائے گی۔ رمضان کے آخری عشرے میں روحینہ بھی مستقل طور پر مغل ہاؤس چلی آئی تھی۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے، مصروفیات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ہر کوئی ہی اپنی جگہ مختلف کاموں کی انجام دہی میں مصروف

تھا۔ اس ساری صورت حال میں صرف ایک ساحرہ ہی تھی جو سارا دن ہاسپٹل میں گزارنے کے بعد بقیہ وقت صرف آرام کرتی تھی، شادی کے جوڑے سے لیکر جیولری تک اس نے کسی بھی چیز میں اپنی کسی پسند کا اظہار نہ کیا تھا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھی۔

شادی کی تیاریوں میں سجل نے رابعہ بیگم کا بہت ہاتھ بٹایا تھا اور اب وہ کھلے دل سے اسکی تعریفیں کرنے لگی تھیں۔ سجل کے روپ میں انہیں ایک بہت ہی احساس کرنے والی، فرمانبردار بیٹی مل گئ تھی۔ کئ برسوں سے انکے دل میں جو کینہ اور نفرت سطوت اور اسکی بیٹی کیلیئے تھی وہ اب مکمل طور پہ ختم ہو چکی

تھی۔ انتیسویں روزے کو چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر سو خوشیوں کا سماں تھا۔ مغل ہاوس کو برقی قمقموں سے سجا دیا گیا تھا۔ چاند کے اعلان کے بعد سے ہی اقصی نے فون کر کے سب کزنز اور سہیلیوں کو بلا لیا تھا۔ اور کچھ ہی دیر کے بعد ہال کمرے میں وہ سب لوگ جمع ہو کر ڈھولک پہ مختلف گیت گا رہے تھے۔ انھوں نے ساحرہ کو بھی وہیں بیٹھا رکھا تھا جبکہ شہیر گھر سے چلا گیا تھا۔ اسکو اس ماحول سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ چاند رات مغل ہاوس کیلیئے خوشیوں کی نوید لے کر آئی تھی۔ مگر اس گھر میں بسنے والے دو مکینوں کے دل کی دنیا بلکل ویران ہوگئ تھی۔ سجل اس خوشیوں بھرے ماحول میں خود کو نارمل رکھنے کی بے حد

کوشش کررہی تھی مگر رات کے اندھیرے میں جب ہر سو خاموشی چھاگئ تھی اس وقت وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر بے طرح رو دی تھی۔

عید کا دن معمول سے ہٹ کر کافی مصروفیت لیئے طلوع ہوا تھا۔ صبح سے ہی گھر میں چہل پہل تھی۔ اس نے بے دلی سے کپڑے تبدیل کیئے اور آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور برش اٹھا کر بال سلجھانے لگی۔ ہلکے سبز رنگ کا یہ سادہ سا ٹراؤزر شرٹ اس نے شدید گرمی کی مناسبت سے بنوایا تھا۔ بالوں کی چوٹی بناکر اس نے سر پہ دوپٹہ لیا اور کمرے سے باہر آگئ۔ تیزی

سے سیڑھیاں طے کر نیچے آئی تو سب سے پہلا سامنا شہیر سے ہوا تھا۔ وہ عجلت میں اپنے کمرے سے باہر آرہا تھا اسے دیکھ کر بے اختیار رک گیا۔ سیاہ شلوار قمیض میں اس کا دراز قد نمایاں ہورہا تھا۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کے سنجیدہ سے چہرے کو بے حد پر کشش بنا رہی تھی۔

عید مبارک۔ "وہ مدھم لہجے میں بولا۔ سیاہ آنکھوں کی دل موہ" لینے والی چمک اب مفقود تھی۔

پ کو بھی مبارک۔ "وہ بھی جواباً مدھم آواز میں بولی۔" "

"ہال میں جارہی تھی؟"

"جی .. سب وہیں ہیں ناں؟"

ہاں .. میں بھی اُدھر ہی جارہا تھا۔ "وہ بالکل نارمل نظر آرہا" تھا۔ یا شاید نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے وہاں پر رابعہ بیگم، سطوت اور ناظمہ خاتون بیٹھی گپ شپ کر رہی تھیں۔

اسلام علیکم ! "وہ ذرا بلند آواز میں بولی تھی۔"

وعیلکم السلام بیٹا ! ادھر آؤ۔ "رابعہ بیگم نے اسے اپنے پاس" آنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے پاس چلی آئی۔

عید مبارک بڑی ممانی۔ "وہ مدھم سا مسکرا کر بولی تھی۔"

خیر مبارک بیٹا۔ تمہیں بھی بہت بہت مبارک۔ "رابعہ بیگم نے" اٹھ کر اسے محبت سے گلے لگایا تھا۔ شہیر دروازے پہ ہی رک

گیا۔

"بھئی سطوت تمہاری بیٹی تو مجھے بالکل اپنی ہی بیٹی لگتی ہے۔"

رابعہ بیگم نے سطوت سے کہا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ سطوت مسکرائی تھیں۔ انکی آنکھوں میں طمانیت تھی۔ سجل نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے شہیر کیطرف دیکھا، اسکی آنکھوں میں شکایت تھی۔ وہ نظریں چرا گئی۔ رابعہ بیگم اب سجل کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ شہیر ایک جھٹکے سے مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام سے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ جو رشتے دار

دوسرے شہروں سے آئے تھے انکا انتظام مغل ہاؤس سے ملحق انیکسی میں کردیا گیا تھا۔ تین دن چٹکی بجاتے گزر گئے۔ عید کے چوتھے روز دوپہر کو بعد نماز ظہر شہیر اور ساحرہ کے نکاح کا فریضہ انجام پانا تھا اور شام کو مہندی کا فنکشن تھا جس میں اقصیٰ اور سعد کی بھی منگنی کی رسم ادا ہونا تھی۔ وہ دن سجل کیلیئے کڑی آزمائشوں کا دن تھا اور شہیر ..وہ تو تین دن سے جیسے اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔

اور پھر وہ دن آن پہنچا۔ صبح سے وہ رابعہ بیگم کیساتھ مختلف کاموں میں مصروف تھی۔ نکاح کی تقریب سادگی سے ہونا تھی۔ مہندی کے فنکشن کے حوالے سے لان میں ڈیکوریشن جاری

تھی۔ بڑے کمرے میں نکاح ہونا تھا۔ وہاں کے سب انتظامات فائنل کر کے رابعہ بیگم نے اسے بھی کپڑے بدل کر فریش ہونے کی ہدایت کی اور خود بھی تیار ہونے لگیں۔ وہ اپنے کمرے میں آئی، اقصیٰ موجود نہ تھی۔ اس نے شام کے فنکشن کیلیئے بنوایا گیا پیلے رنگ کا ٹخنوں کو چھوتا فراک پہن کر ظہر کی نماز ادا کی اور دھڑکتے دل کیساتھ ہال کمرے میں آ گئی۔ جہاں مغل ہاؤس کے افراد کے علاوہ صرف وہ چند رشتے دار جمع تھے جو آجکل یہیں مقیم تھے۔ بڑے صوفے پر شہیر اور ساحرہ براجمان تھے۔ مایوں کے پیلے جوڑے میں ملبوس ساحرہ کا چہرہ گھونگھٹ کی اوٹ میں تھا۔ جبکہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس شہیر بڑھی ہوئی شیو اور ستے

ہوئے چہرے کیساتھ کافی اکتایا ہوا نظر آرہا تھا۔ قاضی صاحب بھی تشریف لا چکے تھے۔ وہ ایک کونے میں جاکر کھڑی ہو گئ۔

اسکا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔

نکاح شروع کروائیں قاضی صاحب۔ "صولت مرزا نے قاضی" صاحب کو مخاطب کیا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ سجل کو لگا بس ایک لمحے کی دیر ہے اگلے لمحے اسکی روح اسکے وجود کو چھوڑ کر پرواز کرجائیگی۔

ایک منٹ قاضی صاحب۔ "قاضی صاحب ابھی رجسٹر کے" صفحات ہی پلٹ رہے تھے کہ ساحرہ کی آواز کمرے میں گونجی اس

نے اپنا گھونگھٹ الٹ دیا تھا۔ کمرے میں موجود تمام نفوس اسکی جانب متوجہ ہوگئے۔

کیا ہوا ساحرہ؟ "ساحرہ کے برابر بیٹھی ثمینہ بیگم نے اس سے" پوچھا۔

قاضی صاحب مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟ "وہ اپنی ماں کا" سوال نظرانداز کیئے قاضی صاحب سے مخاطب تھی۔

پوچھیئے بیٹا۔ "قاضی صاحب نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔"

نکاح میں دونوں فریقین کی مرضی شامل ہونا ضروری ہوتا" ہے کیا؟ "اس نے سوال کیا۔

لازم و ملزوم ہے۔ دونوں فریقین کی مکمل رضا کے بغیر نکاح"

ہو ہی نہیں سکتا۔" قاضی صاحب نے متانت سے جواب دیا۔

اگر ایک فریق راضی نہ ہو تو کیا اسکے پاس انکار کا حق ہوتا"

ہے؟" وہ بہت سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ شہیر گردن موڑے اسے

حیرت سے تک رہا تھا۔

"بالکل حق ہے۔ نکاح میں جبر کی گنجائش ہے ہی نہیں۔"

کیا کسی انسان سے نکاح سے انکار کرنا ماں باپ کی نافرمانی"

"کے زمرے میں آتا ہے؟

ساحرہ۔۔ "شوکت مرزا نے اسے ڈپٹا۔"

ایک منٹ شوکت صاحب بچی کو سوال کرنے دیجیئے، یہ اسکا حق"

ہے۔" قاضی صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو شوکت مرزا چپ

ہو گئے۔ "بیٹی اسلام کی رو سے والدین صرف اپنی مرضی سے اپنی اولاد کا رشتہ طے کر ہی نہیں سکتے۔ اور ناپسندیدہ انسان کیساتھ نکاح سے انکار کرنا ہر عاقل و بالغ کا شرعی حق ہے۔" انہوں نے بہت نرم لہجے میں بات مکمل کی تھی۔ ساحرہ نے ایک آزادی کی سانس لی۔

آئم سوری میں یہ نکاح نہیں کر سکتی۔" وہ بہت اطمینان سے" بولی تھی۔ مگر اسکے یہ الفاظ حاضرین کی سماعتوں پہ بم بن کر گرے تھے۔ شہیر تو جیسے سکتے میں آگیا تھا اور سجل، اسکے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو ساحرہ؟ "ثمینہ بیگم غصے سے بولیں۔"

میں یہ نکاح نہیں کر سکتی ممی کیونکہ اسمیں دونوں فریقین کی"
رضا شامل نہیں ہے۔" ساحرہ کا اطمینان قابلِ دید تھا۔
اگر تم راضی نہیں تھی تو پہلے بتا دیتی اس وقت یہ ڈرامہ کرنے"
کی کیا ضرورت تھی۔" شوکت مرزا نے غضبناک انداز میں کہا۔
میں نے یہ کب کہا کہ میں راضی نہیں ہوں پاپا۔" اس نے"
انکی بات تحمل سے سن کر اطمینان سے جواب دیا تھا۔
کیا مطلب جب تم راضی ہو تو کیا مسئلہ ہے؟" شوکت مرزا"
بولے۔
شہیر راضی نہیں ہے پاپا۔" اسکے الفاظ تھے یا ایٹم بم۔۔ شہیر"
بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

شیری.. "صولت مرزا نے اسے للکارا۔"

شہیر اس نکاح پہ رضامند نہیں ہے وہ صرف آپ سب کی وجہ سے یہ نکاح کرنے بیٹھا تھا۔ ورنہ در حقیقت تو وہ سجل سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ "ساحرہ کمال اطمینان سے انکشافات کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو پورے کمرے پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط ہوگیا تھا۔ سجل کا دل لرزنے لگا۔ سطوت کے چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ "رابعہ بیگم غصے سے بولیں۔"

میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں تائی اماں۔ شہیر اور سجل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو نکاح بھی انہی دونوں کا ہونا

چاہیئے۔ میں کیوں قربانی دوں۔" وہ شانے اچکا کر بنا لحاظ کے بولی۔" کم از کم میں کسی ایسے انسان کیساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جس کا دل کسی اور کیلیئے دھڑکتا ہو۔ اور جو مجھ سے شادی صرف بچپن کی نسبت کا پاس رکھنے کیلیئے کررہا ہو۔" وہ بہت ہموار لہجے میں بول رہی تھی۔

شہیر ! یہ ساحرہ کیا کہہ رہی ہے۔" صولت مرزا نے گرج کر" شہیر سے پوچھا۔ سجل مزید ایک کونے کیطرف سمٹ گئی۔

شہیر سے کچھ مت پوچھیں تایا ابو، یہ کچھ نہیں بولے گا۔ کیونکہ" اسکو تو قربانی دینی ہے، محبت کیلیئے عظیم قربانی۔" ساحرہ نے ایک شان سے اٹھ کر شہیر کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا

تھا۔ شہیر کے چہرے پہ ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔ "ویسے یہ کس قسم کی قربانی تھی شہیر جو تم دینے چلے تھے؟ اور کیا حاصل ہونے والا تھا اس قربانی سے؟ پتہ نہیں کب ہم لوگ اپنی بزدلی کو قربانی کا نام دینا چھوڑیں گے۔" اس نے تاسف سے گردن ہلائی۔ "اور تم سجل..." اسکی نگاہوں کا رخ تھر تھر کانپتی سجل کی طرف ہوا تھا۔ تمام نفوس بھی اسکی طرف متوجہ ہوگئے۔ "کونسی فلاسفی لیکر چلی تھیں تم... تمہاری ماں نے ایک ایسے بندے سے محبت کرکے شادی کی جو بچپن سے منگنی شدہ تھا اور انکی شادی ناکام ہوگئ تو تم نے یہ کیسے assume کرلیا کہ تمہارے ساتھ بھی قدرت same کہانی دہرانے والی ہے۔ کیسے احمق ہو

تم دونوں کہ آپس میں ہی سب کچھ طے کرلیا اور کسی بڑے سے بات تک نہ کی اور شہیر تم۔ "وہ شہیر کی طرف مڑی۔ "اگر یہ اپنی بچگانہ فلاسفی لیکر تمہیں قائل کرنے آئی ہی تھی تو تم نے کیوں مان لی اسکی بات؟ زندگی کا سب سے اہم فیصلہ تم نے یوں کرلیا جیسے یہ زندگی نہیں تین گھنٹے کی کوئی فلم ہے جہاں تم مجھ سے شادی کرتے اور وقت پہیہ گھوم جاتا اور فوراً سے کئی سال گزر جاتے.. "اسکے لہجے میں تاسف تھا۔

میں کیا کرتا ...مجھے پتہ تھا کہ جب بھی میں نے گھر میں سجل" کا نام لیا تو پھر سے پھپھو اور سجل پہ عرصہء حیات تنگ کردیا رویوں کی وجہ سے ہی سجل بھی rigid جائے گا۔ ان سب کے

اس اینگل پہ سوچنے لگی تھی ورنہ اپنی خوشیاں کسے بری لگتی ہیں۔ اور میں بھی اسی لیئے مجبور ہوگیا تھا۔" وہ جیسے تنگ آکر بولا تھا۔

سجل نے دیکھا سطوت کے چہرے پہ خوف تھا۔

"تم دونوں نے یہ سوچ بھی کیسے لیا تھا کہ ساحرہ کو کسی قربانی کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنی زندگی کو ہمیشہ پرفیکٹ انداز میں گزارا ہے۔ دو ٹکڑوں میں بٹے ہوئے انسان کیساتھ زندگی گزارنے کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔" وہ اپنے مخصوص پر غرور انداز میں بول رہی تھی۔

"اگر تم یہ سب جانتی تھی تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یوں سب کے سامنے تماشا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔" صولت مرزا ناگواری

سے بولے تھے۔

اگر پہلے بتا دیتی تو کیا سجل اور پھپھو کو اس گھر میں رہنے"

دیتیں تائی جان۔"اس نے دوبدو کہا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

میں نے بہت اچھی طرح سوچا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی"

کہ اس بات کیلیئے اس سے بہتریں موقع اور کوئی نہیں۔"وہ

.گردن اکڑائے کہہ رہی تھی

مجھے معاف کردیں بھائی صاحب۔"سطوت نے اچانک ہی"

روتے ہی صولت مرزا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔"سجل کے قصور

"کو معاف کردیں۔

"پھپھو یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں سجل نے کونسا قصور کیا ہے۔"

شہیر یکدم انتہائی ناگواری سے بولا۔"آپ کی خاطر صرف آپ کی خاطر اس نے اپنی آرزوؤں کا قتل کرڈالا اپنے مرے ہوئے باپ کیلیئے باعثِ عزت کہلانے کیلیئے اُس نے اپنے خوابوں کو دفن کرنے کا فیصلہ کیا اور آپ پھر بھی اسے قصوروار ٹھہرا رہی ہیں .. اس بیٹی کو جو آپ سب کی غلطیوں کی سزا اکیلی بھگتنے کیلیئے تیار ہے۔"شہیر پھٹ پڑا تھا۔ اور سجل۔۔ وہ جیسے اک شاک کے عالم میں سطوت کا چہرہ دیکھ رہی تھی جن کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ تمام نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ پر کچھ سوچ رہے تھے۔ حشمت مرزا کا خاندان آج کئی برسوں بعد خود احتسابی کا شکار ہوگیا تھا۔ اس ہال کمرے میں

موجود سب "بڑے" آج اپنا اپنا تجزیہ کر رہے تھے اور آج سب کو اپنی اپنی غلطیاں بہت واضح نظر آرہی تھیں ... غلطی نہ تو لو میرج میں تھی نہ ہی لو میرج ناکام ہو جانے میں .. غلطی تو بس رویوں میں تھی۔

اور سجل تم... "شہیر پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا عین اسکے" سامنے آکھڑا ہوا۔ اسکا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ "تم ان لوگوں کیلیئے مجھے ٹھکرا رہی تھی جو تمہارے دفاع کیلیئے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے۔ ان کیلیئے قربانی دینے چلی تھی تم۔" اس نے دکھ کے عالم میں سجل سے پوچھا تھا۔ اور وہ جو ماؤف ہوتے ذہن کیساتھ اس کو تک رہی تھی۔ اچانک آگے پیچھے جھولنے لگی اور

پھر اگر شہیر آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ زمین پہ ہی گر پڑی ہوتی۔ وہ بیہوش ہوچکی تھی۔

سجل.. "شہیر اسے بازوؤں میں سنبھالے ہوئے پریشانی کے عالم" میں اسکے گال تھپتھپا رہا تھا۔ اقصیٰ بیتابی سے اسکی طرف بڑھی۔ ہر کوئی سجل کے گرد اکٹھا ہوگیا تھا۔

اوہ گاڈ... "ساحرہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اس نے قالین پہ" دوزانو ہو کر سجل کی کلائی تھام کر نبض چیک کی۔ "اقصیٰ میرا اسٹیتھو اسکوپ لیکر آؤ۔ شہیر تم سجل کو ادھر صوفے تک لے چلو۔ اور آپ لوگ پلیز اسکے گرد سے بھیڑ ہٹائیں۔ سعد اے سی تیز کردو۔ "وہ کسی پروفیشنل ڈاکٹر کیطرح ہدایتیں جاری کر رہی

تھی۔ اقصیٰ سرپٹ بھاگ کر اسٹیتھواسکوپ لے آئی۔ شہیر نے سجل کو صوفے پہ لٹایا۔ کمرے کے تمام نفوس کے چہروں پر پریشانی تھی۔ ساحرہ، سجل پہ جھک کر اسے چیک کر رہی تھی۔ سعد اقصیٰ کے قریب آکھڑا ہوا جو آنسو بھری آنکھوں کیساتھ سجل کی جانب دیکھ رہی تھی۔ سعد نے اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ دلاسا دینا چاہا۔ شہیر بے قراری سے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

ٹینشن کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئ ہے۔ کچھ دیر تک خود ہی ہوش میں آجائیگی۔" ساحرہ نے سیدھے ہوتے ہوئے بتایا۔

وہ سب چپ چاپ بیٹھے تھے۔ سب ہی سوچوں میں گم تھے۔

مجھے افسوس ہے کہ ایسی سچویشن کری ایٹ ہو گئ . لیکن مجھے"

بھی وقت چاہیئے تھا سوچنے کیلیئے۔" ساحرہ نے اس طویل سناٹے کو توڑا تھا۔"میں نے روحی کی ویڈنگ اینی ورسری کے روز تم دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔" وہ اب شہیر سے مخاطب تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سجل کے خیالات قابلِ تعریف" ہیں اور اسکی ہمت بھی قابلِ رشک ہے لیکن میں اس قسم کی قربانیوں پہ بلیو نہیں کرتی۔ میں نے کبھی کسی کیلیئے اپنی خوشیوں کی قربانی نہیں دی اور نہ ہی میں یہ چاہتی ہوں کہ کوئی میرے لیئے اپنی خوشیاں قربان کرے۔ اور جہاں تک بات ہے بچپن کی نسبت کی تو یہ میرے لیئے بھی ایک خاندانی فیصلے سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتی۔" وہ اب چپ ہوچکی تھی۔ سجل کو

دھیرے دھیرے ہوش آنے لگا۔ سطوت لپک کر اسکے قریب گئیں۔ ساحرہ بھی اسکی طرف متوجہ ہو گئی۔ چند لمحوں بعد وہ مکمل ہوش میں آگئی اور گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

یو نیڈ ریسٹ سجل۔ اقصیٰ اسے کمرے میں لیجاؤ۔ "ساحرہ نے" نرم لہجے میں کہا۔ سطوت محبت سے سجل کا سر سہلانے لگیں۔

ہاں جاؤ بیٹا آرام کرو۔ پھر شام کو تمہیں مہندی کے فنکشن میں" بھی تو شریک ہونا ہے۔ "رابعہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا۔ "اور صولت صاحب نکاح اب شام پہ ہی رکھ لیجیئے تب تک میری بہو "کی طبیعت بھی بہتر ہوجائیگی۔

رابعہ بیگم کی بات پر سب ہی چونکے تھے۔

کیا مطلب ہے آپکا بیگم؟"صولت مرزا نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مطلب صاف ہے صولت صاحب .. سجل میرے بیٹے کی پسند ہے تو مجھے بھی دل و جان سے قبول ہے۔"انہوں نے اٹھ کر محبت سے سجل کی صبیح پیشانی کو چوما۔ کمرے میں موجود سب نفوس کے چہروں پہ حیرت تھی۔ شوکت مرزا نے پہلو بدل کر بیوی کیطرف دیکھا وہ بھی کچھ ناگواری سے اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں سطوت کہ میں نے تمہیں اتنی اذیت دی۔ لیکن تمہاری بیٹی دلوں میں گھر کرنا جانتی ہے۔ اور

مجھے بہت خوشی ہے کہ ہمارے بچے ہماری طرح کم ظرف نہیں ہیں۔ ”انہوں نے سطوت کے ہاتھ تھام کر نم سے آنکھوں سے مسکرا کر کہا تھا۔ ان کے آخری جملے پر ساحرہ کے ہونٹوں پر بڑی بھرپور مسکراہٹ بکھر گئ تھی۔

صحیح کہتی ہو بڑی بہو۔ ہماری اولاد ہم سے بہت بہتر ہے۔ ہم ” تو ساری عمر دلوں میں کینہ رکھ ہی جیتے رہے۔ مگر یہ بچے .. بے ریا ہو کر جئے ہیں۔ ”ناظمہ خاتون بھی نم آنکھوں کیساتھ بہو کی تائید کی تھی۔

آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں جان۔ ”صولت مرزا بولے۔ ”میں تم ” سے شرمندہ ہوں میری بہن، مجھے تمہارا سہارا بننا تھا مگر میں

نے تمہیں بے سہارا چھوڑ دیا۔" وہ سطوت کے قریب آ رکے۔
"ایسا مت کہیں بھائی جان۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔"
سطوت رو پڑیں۔ صولت مرزا نے انکے سر پہ ہاتھ پھیرا۔
اور ہماری یہ بیٹی۔" انہوں نے سجل کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ جو سر
جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا۔
تمہارے اس گھر میں آنے کی سب سے زیادہ مخالفت میں نے
کی تھی لیکن تم نے اپنی محبت سے سب کے دل جیت لیئے۔" انکی
آنکھیں نم تھیں۔
ایسا مت کہیں بڑے ماموں۔ "وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
تم میری بیٹی ہو .سب سے پیاری بیٹی۔" انہوں نے اسے پر

شفقت انداز میں سینے سے لگا لیا وہ سسکنے لگی۔ باپ کی شفقت سے محروم سجل کو آج ماموں کی صورت میں باپ کا سایہ میسر ہو گیا تھا۔

چلو بس اب رونا نہیں۔ "روحینہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے شانوں سو تھام کر الگ کیا۔

آپ سب بھی اب یہ ایموشنل سین ختم کریں شام کے فنکشن" کے بہت سے کام پڑے ہیں ابھی۔ اور وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ "اس نے تیز تیز بولتے ہوئے سب کو وقت کی کمی کا احساس دلوایا تو سب ہی اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اپنے اپنے کام نمٹانے کیلیئے ایک اک کر کے کمرے سے جانے لگے۔

سجل نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کن اکھیوں سے شہیر کیطرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھا رہا تھا۔ اسکے متوجہ ہونے پر ہولے سے مسکرادیا۔ وہ بھی نم آنکھوں سے مسکرادی تھی۔

"مت بولو تم مجھ سے سجل۔ "اقصیٰ کمرے میں آتے ہی نروٹھے پن سے بولی تھا۔ "اتنا کچھ تم نے اکیلے سہا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ بس اتنا سا ٹرسٹ تھا اپنی دوست پر۔

"ٹرسٹ کی بات نہیں ہے اقصیٰ۔ میں بہت کنفیوزڈ تھی پلیز تم مجھ سے خفا نہ ہو۔ "اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"دل تو نہیں چاہ رہا کہ تمہیں معاف کروں لیکن آج میں بہت

خوش ہوں کیونکہ میری منگنی ہے۔ اور ابھی مجھے پارلر بھی جانا ہے۔ ”اقصیٰ نے مسکرا کر بل کھاتے ہوئے کہا تو سجل بھی کھل کر مسکرا دی۔“ اور اب تو یہ خوشی دہری ہو گئ ہے۔ اف سجل... تم میری بھابھی بنو گی۔ ”اس نے ایکسائیٹڈ ہو کر سجل کو کاندھوں سے تھام لیا۔ سجل مسکرا اٹھی۔

لڑکیوں تم لوگوں کی باتیں ختم نہیں ہوئی۔ ”دفعتاً روحینہ نے“ اندر جھانکا۔ ”جلدی کرو ڈرائیور ویٹ کر رہا ہے۔

آ رہے ہیں آپی بس دو منٹ۔ ”اقصیٰ جلدی سے بولی۔ پھر وہ“ دونوں پارلر روانہ ہو گئیں۔

شام سے قبل ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔لان میں مہندی کے فنکشن کی مناسبت سے اسٹیج سجایا گیا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد سجل اور شہیر کو اسٹیج پہ لا کر بٹھایا گیا تو مجمعے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لیکن پہلے سے موجود مہمانوں کے توسط سے یہ بات سب تک پہنچ گئی کہ در حقیقت شادی سجل اور شہیر کی ہو رہی ہے۔ قاضی صاحب نے نکاح کی کارروائی شروع کی۔ وہ جیسے خواب کے سفر میں تھی۔ نکاح کے پیپرز پر دستخط کرتے ہوئے اس کے دل نے بے اختیار ہی اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا۔ ایجاب و قبول کے بعد مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ سطوت نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

خوش رہو بیٹا۔ تم میرا مان ہو سجل۔" انہوں نے آہستگی سے" کہہ کر اسکی پیشانی چوم لی تھی۔

نکاح کے بعد سعد اور اقصیٰ کی منگنی کی رسم ادا کی گئ۔ ان دونوں کے چہرے دلی مسرت کے باعث چمک رہے تھے۔ آف وائیٹ شلوار قمیص میں ہینڈسم دکھتا سعد مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا اور پیچ کلر کے لمبے فراک میں سجی سجائی اقصیٰ شرمیلی سی مسکراہٹ کیساتھ جواب دے رہی تھی۔

شہیر اور سجل کی مہندی کی رسم شروع ہوئی تو سب سے پہلے رابعہ بیگم نے آگے بڑھ کر رسم ادا کی۔ وہ بہت تھیں۔ شہیر کی خوشی بھی دیدنی تھی۔ اپنے پہلو میں بیٹھی سجل کو پر تپش

نظروں سے تکتے ہوئے وہ بات بے بات ہنس رہا تھا۔ سعد اور اقصیٰ ان دونوں کو چھیڑ رہے رھے اور سجل سر جھکائے شرم کے مارے سرخ پڑ رہی تھی۔ جبکہ شہیر ان دونوں کو بات بات پہ ٹکڑا توڑ جواب دے رہا تھا۔ ہر سو قہقہے بکھرے ہوئے تھے اوع مغل ہاؤس کے در و دیوار ان قہقہوں کی گونج سے جھنجھنا اٹھے تھے۔

فنکشن رات گئے تک اختتام پذیر ہوا۔ مہمان ایک اک کرکے چلے گئے تو گھر کے تمام افراد بھی تھکن سے چور اپنے اپنے کمرے میں سونے کیلیئے چلے گئے۔ وہ اور اقصیٰ اپنے کمرے میں چلی

آئیں۔

اف ..مجھے تو شدید نیند آنے لگی ہے اب۔ "سجل نے بیڈ پر" گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اقصیٰ نے بے دھیانی کے عالم میں سرہلایا وہ اپنے موبائل پہ مصروف تھی۔ سجل کچھ لمحوں بعد سیدھی ہو بیٹھی اور سر پہ پن اپ کیا ہوا دوپٹہ اتارنے لگی۔ اس کام سے فراغت پا کر اس نے اپنی لمبی چوٹی سے پھولوں کے گجرے الگ کیئے اور بال کھول کر ان میں انگلیاں چلانے لگی۔ سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا تھا۔ اقصیٰ برابر موبائل پر مصروف تھی۔ وہ اکتا کر بستر سے اتری اور وارڈروب کیطرف بڑھی۔

"اوئے کیا کرنے لگی ہو؟ "اقصیٰ نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کپڑے بدلنے لگی ہوں یار تھکن سے برا حال ہے۔ "اس نے پلٹے بغیر جواب دیا۔

"ارے ارے رکو! "اقصیٰ اٹھ کر تیزی سے اسکے پاس آئی۔ "میرے ساتھ آؤ۔ "وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے دروازے کیطرف کھینچتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوگیا ہے؟ "سجل جھنجھلائی۔

"ایک کام ہے تم چلو ناں۔"

"دوپٹہ تو لینے دو۔ "سجل نے اپنا بازو چھڑوا کر بستر پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر سر پہ اوڑھا۔ اور اقصیٰ کے ساتھ کمرے سے باہر آئی۔ گھر

میں مکمل سناٹا تھا۔ اقصیٰ نے اس کا بازو ایسے تھام رکھا تھا جیسے اس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو۔

تم مجھے کہاں لیئے جارہی ہو اقصیٰ؟ "اس کے ساتھ زینے طے" کرتے ہوئے سجل منمنائی۔

ششش ..چپ۔ "اقصیٰ نے سرگوشی کے سے انداز میں اسے ڈپٹا" اور دبے قدموں اسے ساتھ لیئے گھر سے باہر آئی، لان اور پائیں باغ مکمل طور پر روشن تھے۔ درختوں کے ساتھ لپٹے برقی قمقموں سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ تمہارے شوہرِ نامدار کھڑے ہیں۔"اقصیٰ نے بازو لمبا کرکے" جھیل کیطرف اشارہ کیا۔"میں چلی بائے بائے۔ "وہ چھپاک سے

اندر چلی گئ تھی۔ سجل نے دیکھا جھیل کے قریب شہیر کھڑا تھا۔ اتنے فاصلے سے بھی وہ اس کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ دیکھ سکتی تھی۔

وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ایک دوسرے کے سامنے آرکے۔ رات کے اس پہر بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے اڑ رہے تھے۔

مبارک ہو سجل۔" شہیر نے مسکرا کر کہا تھا۔ ہوا کے تیز" جھونکے سے سجل کے سر سے دوپٹہ گرگیا۔ لمبے بال بکھر کر خوشبو اڑانے لگے۔ لیکن اب سامنے کھڑا شخص اسکا محرم تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

آپ کو بھی۔ "وہ مدھم آواز میں بولی۔"

کیا تم نے سوچا تھا سجل کہ زندگی اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے۔ "اس نے اسکے خوبصورت چہرے کو تکتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔ سجل نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں بہت خفا تھا تم سے، تم نے بہت دکھ دیا مجھے۔ "وہ اسکی طرف ذرا سا جھکا تھا۔

آئم سوری ! مجھے آپکی تکلیف کا احساس ہے۔ "اس نے نظریں جھکا لیں۔ شہیر مسکرا اٹھا۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ "وہ سر جھٹک کو بولا۔ "میں بہت خوش ہوں سجل۔ کیا تم خوش ہو؟"

جی بہت زیادہ۔ "اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھ کر اک سر"

خوشی کے عالم میں کہا تھا۔

ڈو یو لو می؟ "شہیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے"
پھیلائے۔

نو۔ "نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر شرارت سے کہتے ہوئے اس"
نے اپنے دونوں ہاتھ اسکے ہاتھوں میں دے دیئے۔

یو ڈونٹ لو می۔ "شہیر نے اسے کھینچ کر خود سے ذرا قریب کیا"
تو وہ بے اختیار شرما گئی۔

بتاؤ ناں۔ "اس نے اصرار کیا۔"

ہاتھ چھوڑیں گے تو بتاؤنگی۔ "وہ نظریں جھکا کر بولی۔"

لو چھوڑ دیئے .اب بولو۔ "شہیر نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔"

آئی ہیٹ یو۔" ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کر کے وہ ہنستے ہوئے جھپاک سے اندر بھاگ گئی۔ شہیر کے ہونٹوں پر ایک بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔

روایتی سرخ عروسی لباس میں مکمل دلہن بنی سجل آسمان سے اتری کسی حور کی مانند لگ رہی تھی۔ سطوت نے تو فوراً اسکی نظر اتاری تھی۔ ناظمہ خاتون بھی کئی بار اسکی بلائیں لے چکی تھیں۔ سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس شہیر بھی ہمیشہ کی طرح شاندار نظر آرہا تھا۔ جب ان دونوں کو اکٹھے اسٹیج پر بٹھایا گیا تو ہر کوئی بے اختیار ماشاء اللہ کہہ اٹھا۔ ساحرہ بھی آج بہت مسرور نظر

آ رہی تھی۔ سب مہمانوں سے ملتے ہوئے اس کے حسین پہ چہرے پہ کوئی ملال نہ تھا۔ اس کا دل مطمئن تھا کیونکہ اس نے دو محبت بھرے دلوں کو اک دوجے سے ملوانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ وہ خوش تھی کہ اس نے عام انسانوں کی طرح خود غرض بننے کی بجائے بے غرض بن کر فیصلہ کیا۔

سعد کی متلاشی نظریں اقصیٰ کو تلاش کر رہی تھیں اور وہ اسے اسٹیج سے ذرا فاصلے پہ کھڑی نظر آ گئی تھی۔ وہ تیزی سے اسکے پاس آیا۔ وہ انہماک سے اسٹیج کی طرف متوجہ تھی۔

اقصی! کیا سوچ رہی ہو۔ "سعد نے اسے ٹھوکا دیا۔ تو اس نے" چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ بس دیکھ رہی تھی کہ یہ دونوں ساتھ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ ویسے اگلے سال اس جگہ پر تم اور میں ہوں گے۔" سعد مزے سے بولا تو وہ جھینپ گئی۔ سعد نے دل چسپی سے اس کی طرف دیکھا۔ رائل بلیو رنگ کے ایمبرائیڈڈ فراک میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم شرماتی بھی ہو۔" وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں کوئی نہیں شرماتی۔ اور تم چلتے پھرتے نظر آؤ یہاں سے۔" وہ مصنوعی غصے سے اسے گھور کر بولی۔

"بہت بڑی چڑیل ہو تم۔"

"لیکن افسوس کہ تمہیں مجھ سے ہی شادی کرنی پڑے گی۔"

"ایویں ہی۔"

"بالکل ایویں ہی۔"

"تم بہت بری ہو میں تم سے بالکل بھی شادی نہیں کرونگا۔"

تم بھی بہت فضول ہو لیکن میں پھر بھی تم ہی سے شادی "کرونگی۔

آئی ہیٹ یو۔ "وہ اسے گھور کر بولا۔"

آئی ہیٹ یو ٹو۔ "اس نے بھی مسکرا کر دوبدو جواب دیا پھر وہ" دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

کمرے کو سرخ گلابوں سے سجایا گیا تھا۔ فرش پر بھی گلابوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھی۔ کمرے کی فضاء تازہ گلابوں کی مہک سے بوجھل تھی۔ رات کے ایک بجے کا عمل تھا کچھ دیر قبل ہی سطوت اسے ڈھیروں دعائیں دیکر گئ تھیں۔ پچھلے کئ گھنٹوں سے بیٹھے بیٹھے اسکی کمر اکڑ گئ تھی۔ وہ بستر سے اتری اور اپنا بھاری لہنگا سنبھالتی ہوئی سہج سہج کر قدم اٹھاتی کھڑکی تک آئی اور اس کے پٹ کھول دیئے۔ خوشگوار ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا .آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بارش بس ہونے کو تھی۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو وہ چونک کر پلٹی۔ شہیر نرم

سی مسکراہٹ کے ساتھ اندر آیا۔ وہ بھی مدھم سا مسکرائی۔

اس کھڑکی سے جھیل کا ویو بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ مسکراتے"

ہوئے بولتا ہوا اس کے قریب آرکا۔

.ہوں... "اس نے سر جھکا کر جواب دیا"

"سجل میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں آج کتنا خوش ہوں۔"

اسے شانوں سے تھام کر وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

سجل کو ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

میں تو ہار گیا تھا سجل .. لیکن میری خوش بختی کہ تم مجھے مل"

گئیں۔ میں نے تمہیں کھو کر پایا ہے سجل۔"اس کے حنائی ہاتھ

اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر وہ دلفریب لہجے میں کہہ رہا تھا۔

آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ نہ میں سطوت ہوں اور نہ آپ نوید" احمد۔ ہماری کہانی ان جیسی نہیں ہو سکتی تھی۔ میرا یقین ڈگمگا گیا تھا شہیر ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو ان کی بساط سے بڑھ کر کبھی نہیں آزماتا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اس سمے اس کی آنکھوں کا نیلا رنگ بڑا دلکش لگ رہا تھا۔

بیشک.. "شہیر نے سر خفیف سی جنبش دی تھی۔ "پتہ ہے" سجل میں نے اکثر تصور میں تمہیں اس کمرے میں اس کھڑکی کے قریب دیکھا ہے۔ اور آج جب تم حقیقت میں میرے سامنے موجود ہو تو یوں لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" وہ دھیمی سی مسکراہٹ کیساتھ بولا تو نظریں جھکا گئی۔ شہیر نے اپنی

پتلون کی جیب سے ایک مخملیں ڈبیہ نکال کر اس میں سے خوبصورت سا طلائی بریسلٹ نکالا۔

یہ ایک چھوٹا سا تحفہ تمہارے لیئے۔" اس کی نازک کلائی میں" بریسلٹ پہناتے ہوئے اس نے محبت سے کہا تھا۔

تھینک یو .. یہ بہت خوبصورت ہے۔" اس نے اپنی کلائی میں" پڑے بریسلٹ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

لیکن تم سے زیادہ خوبصورت نہیں۔" وہ برجستہ بولا۔ "یو نو" سجل میں ہر بار تمہیں دیکھ کر میں یہی سوچتا تھا کہ تم تب زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی یا اب .اور تمہاری آنکھیں .. انہوں نے تو ہمیشہ ہی مجھے کنفیوژن میں مبتلا رکھا۔" سجل نے نظریں اٹھا کر

اسکی طرف دیکھا۔
"لیکن میں لینسز نہیں لگاتی۔"
آئی نو.. "شہیر ہولے سے ہنسا۔ "پتہ ہے میں اکثر دعا کرتا تھا" کہ ساری عمر میں فجر کے بعد گھر آیا کروں تو تم مجھے جھیل کنارے ملو اور میں تم سے چائے بنانے کا کہوں اور تم مجھے دو چمچ والی چائے بنا کر دیدو۔ "اس کی بات کو دھیان سے سنتی سجل اس کے آخری جملے پہ بے اختیار ہنس پڑی۔
۔مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ شوگر لیس چائے پیتے ہیں۔ یہ تو مجھے اقصیٰ سے پتہ چلا تھا، بہت بعد میں۔ "وہ ہنستے ہوئے بولی اس کی ہنسی انتہائی دلکش تھی۔شہیر نے بے اختیار اسے خود سے قریب

کر لیا۔

میں ساری عمر تمہارے ہاتھ کی بنی دو چمچ چینی والی چائے پینے" کے لیئے تیار ہوں۔" اس نے ہلکی سی سرگوشی کی تھی۔ سجل نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ شہیر کی سیاہ آنکھوں میں اس کے لیئے محبتوں کے دیئے روشن تھے۔

وعدہ۔" اس نے تصدیق چاہی۔"

پکا وعدہ۔" اس نے اس کا ہاتھ ہولے سے دبایا۔ باہر ہلکی ہلکی" بارش شروع ہو گئی تھی۔ فضاء میں گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی مہک بکھر گئی تھی۔

اچھا بتاؤ .ڈو یو لو می؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے"

ہوئے پوچھا۔

بے حد بے حساب۔ ”مدھم لہجے میں جواب دیتے ہوئے اس“ نے شہیر کے فراخ سینے پہ سر رکھ کر طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

The End